فتنے اور ان کا علاج

جس میں "فتنہ" کا مفہوم ومصداق، اس کی متنوع صورتیں اور مختلف شکلیں، دورِ فتن میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں، عصر حاضر کے مختلف فتنے، فتنوں سے حفاظت کے اہم اسباب اور وسائل اور ان کے علاوہ فتنوں سے متعلق ضرورت کی باتیں بقدرِ ضرورت تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

تالیف:

مفتی عبید الرحمٰن صاحب

رئیس دارالافتاء والارشاد، مردان

مکتبہ دارالتقوی، مردان

۰۳۰۰-۹۳۲۶۱۰۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب: ـــــ فتنے اور ان کا علاج

مصنف:ـــــــ مفتی عبید الرحمٰن، مردان

صفحات:ـــــــ ۸۲

تاریخِ اشاعت: ربیع الاول ۱۴۴۶ھ

ناشر: مکتبہ دارالتقویٰ، مردان

ملنے کا پتہ: دارالافتاءوالارشاد، مردان: ۰۳۰۰۹۳۲۶۱۰۱

فہرست مضامین

عرضِ مؤلف ۶
باب اول: ۷
فتنہ کا مفہوم ۷
ابتلاء وآزمائش مذمت کی دلیل نہیں ۸
فتنے بڑھتے ہی رہیں گے ۱۰
فتن پر بات کرنے کے فوائد ۱۱
فتنوں کے تین اہم فوائد وثمرات ۱۴
پہلا فائدہ: نیک وبد کی تمیز ۱۴
دوسرا فائدہ: فتنہ زدہ افراد کی بخشش ۱۶
تیسرا فائدہ: غیر معمولی اجر وثواب ملنا ۱۷
فتنے کے ایام میں کرنے کے چار کام ۱۹
فتنوں کی مختلف نوعیتیں ۲۲
پہلی تقسیم: چھوٹے اور بڑے فتنے ۲۲
اندھے بہرے پیچیدہ فتنے ۲۵
کفریہ اور فسقیہ فتنے ۲۹
اجتماعی کفر کے فتنے ۳۴
عام وخاص فتنے ۳۶
ظاہری اور باطنی فتنے ۳۹
شبہات وشہوات کے فتنے ۴۱
مفتون ہونے کی پہچان وعلامت ۴۱

فتنہ میں ابتلاء کی بنیادی نشانی..................... ۴۲
باب دوم: **۴۴**
فتنے کے مختلف مصداقات: **۴۴**
تطبیقی پہلو ۴۴
پہلے مصداق کا تطبیقی جائزہ ۴۴
دوسرے مصداق کا تطبیقی جائزہ ۴۵
تیسرے مصداق کا تطبیقی جائزہ ۴۵
چوتھے مصداق کا تطبیقی جائزہ..................... ۴۶
قدیم وجدید فتنوں کا فرق ۴۷
پہلا فرق: دائرہ کار کا فرق ۴۸
دوسرا فرق: حفاظتی چھتری کا فقدان..................... ۴۸
تیسرا فرق: قبول حق کی استعداد کا ختم ہو جانا..................... ۴۹
چوتھا فرق: موانع رشد وہدایت کا موجود ہونا ۵۰
انفرادی اور اجتماعی زندگی میں فتنوں کا سائبان..................... ۵۲
شخصی زندگی میں فتنوں کا ماحول ۵۳
نظریات کے میدان میں فتنے ۵۳
اخلاق وصفات کے میدان میں فتنے..................... ۵۴
ظاہری اعمال کے میدان میں فتنے ۵۵
معاشرتی زندگی میں فتنوں کی بہتات ۵۶
ملکی زندگی میں فتنوں کی اجمالی صورتیں ۵۶
باب سوم: **۵۸**
فتنوں سے بچاؤ کا حفاظتی نصاب..................... **۵۸**

تمہید واہمیت ۵۸
فتنوں سے بچاؤ کا حفاظتی نصاب ۵۸
پہلا ذریعہ: دعاء و تعوّذ مانگنا ۵۹
دوسرا وسیلہ: فتنوں کا علم حاصل کرنا ۶۱
علم دین ہو تو فتنہ مضر نہیں ۶۲
تیسرا وسیلہ: فتنوں کی جگہ سے دور رہنا ۶۳
مواقع فتن سے دوری کا مطلب ۶۷
دور حاضر کے کچھ اہم مواقعِ فتن ۶۸
پہلا موقع: بے پردگی کی جگہ جانا ۶۸
دوسرا موقع: مختلف عہدے اختیار کرنا ۶۹
تیسرا موقع: مخلوط تعلیم یا نوکری کرنا ۶۹
چوتھا موقع: انٹرنیٹ، فیس بک وغیر استعمال کرنا ۷۰
پانچواں موقع: بے دین لوگوں کی صحبت و تعلق ۷۰
چوتھا ذریعہ: قرآن وسنت سے مضبوط وابستگی ۷۱
پانچواں ذریعہ: صبر سے کام لینا ۷۴
غلط فہمی کا ایک تجربہ ۷۴
آل عمار کو حضور ﷺ کی ایک زرّیں نصیحت ۷۵
صبر کرنے کی چند اہم صورتیں ۷۶
چھٹا ذریعہ: احتیاط و تثبّت سے کام لینا ۷۷
ساتواں ذریعہ: علماء صالحین پر اعتماد کرنا ۷۹
مصادر و مراجع ۸۱

عرضِ مؤلف

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دور امت مرحومہ کے لئے بہت ہی فتنوں کا دور ہے، جہاں جگہ جگہ اور لحہ بہ لحہ مختلف فتنے پھوٹ رہے ہیں، مجموعی طور پر ایسے بہت ہی کم خوش نصیب افراد ہیں جو معاشرے میں رہتے ہوئے اپنے متاعِ دین وایمان کو فتنوں کی زد میں آنے سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ہماری بداعمالی کی وجہ سے فتنوں کی طغیانی کا یہ عالم ہے کہ امت کو فتنوں سے بچانے والے طبقہ کی بھی کثیر تعداد اس کی شکار ہو چکی ہے۔

بہر حال، اللہ تعالیٰ ملت مرحومہ کی حالت پر خصوصی فضل وکرم فرمائیں۔ اس تحریر کو پیش کرنے کا مقصد کتاب برائے کتاب نہیں ہے بلکہ ایک حقیر امتی کی جانب سے اس کام میں حصہ ڈالنے کی ایک حقیر سی کاوش ہے کہ کس طرح امت کی کشتی ڈوبنے سے محفوظ رہے۔ کوئی شخص امت مرحومہ کی موجودہ دینی حالت سے خبر دار نہ ہو تو الگ بات ہے، جو افراد اس سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ملت مرحومہ اس وقت دینی لحاظ سے بہت ہی انحطاط پر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر سی کاوش کو اپنی خوشنودی اور قربت کا ذریعہ بنائیں، وہ بہت ہی مہربان، قدرداں اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

کتاب میں موجودہ احادیث اور عربی عبارات کا ترجمہ عزیزم مولوی خورشید احمد سلّمہ صاحب نے کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس سمیت ان تمام دوستوں کو جزائے خیر نصیب فرمائیں جو ملت مرحومہ کو فتنوں سے بچانے میں کسی بھی طرح کوئی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ناکارہ عبید الرحمن

دارالافتاء والارشاد، مردان، ۷ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ

باب اول

فتنہ کا مفہوم

فتنے کا لفظ عربی زبان کا لفظ ہے جو اردو و غیرہ زبانوں میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس کا اصل معنی یہ ہے کہ سونا، چاندی وغیرہ معدنیات کو جانچنے کے لئے آگ پر رکھا جائے، تاکہ اصل مادہ اور کھوٹ وملاوٹ الگ الگ ہو جائے، علامہ راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أصل الفَتّنِ: إدخال الذّهب النار لتظهر جودته من رداءته[1]

ترجمہ: "فتن در حقیقت سونے کو آگ میں ڈالنے کو کہتے ہے تاکہ اس کے عمدہ پن گھٹیا پن سے الگ ہو جائے، ظاہر ہو جائے"

اس کے بعد یہ لفظ دیگر متعدد معانی کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ خود قرآن کریم میں آزمائش وامتحان، کفر، شرک، عذاب، گناہ، ہلاکت ومصیبت کے معنی میں بھی یہ مادہ استعمال ہوا ہے اور ایک جگہ مال اور اولاد کو بھی "فتنہ" قرار دیا گیا ہے[2]۔

بہرحال عام طور پر فتنہ سے مراد ایسا ماحول/وقت ہوتا ہے جہاں حق وباطل / جائز وناجائز کا فرق کرنا ناممکن یا مشکل ہو جائے، کبھی تو اعتقادی اور نظریاتی طور پر فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور کبھی اس حد تک تو اشکال وپیچیدگی نہیں ہوتی لیکن عملی طور پر دونوں کے درمیان خط امتیاز کھینچنا بہت مشکل ہوتا ہے، ناجائز پہلو کے اختیار کرنے سے بچنا عملی طور پر مشکلات کا باعث بنتا دکھائی دیتا ہے۔ پھر جس حد تک مشکلات

---

۱ المفردات في غريب القرآن، كتاب الفاء، ص٦٢٣.

۲ ان مختلف معانی اور استعمالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: المفردات في غريب القرآن، ص ٦٢٣، اور نضرة النعيم في مكارم أخلاق الرسول الكريم، ج١١، ص٥١٨١.

ہوتے ہیں ،اسی کے مطابق فتنہ کی سنگینی بھی زیادہ ہوتی ہے اوراسی لحاظ سے کسی فتنے کو سخت یا سخت تر کا درجہ دیا جاتا ہے۔

ابتلاء وآزمائش مذمت کی دلیل نہیں

کسی فرد / قوم کا آزمائش میں مبتلا ہونا، کسی خاص جگہ فتنہ کا پھیل جانا بذات خود نہ اچھے ہونے کی علامت ہے اور نہ ہی برائی یا مذمت کی دلیل ہے، یہ ایسے امور میں سے ہے جو سرے سے انسان کے اختیار ہی میں نہیں ہے ،لہٰذا اس کی وجہ سے کوئی شخص / قوم / عہد اچھا قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی برا قرار پاسکتا ہے، مسلمان کے کرنے کا کام یہ ہے کہ خواہ حالات کیسے ہی مایوس کن اور پریشان کن کیوں نہ ہوں لیکن وہ بہرحال اپنے دینی تعلیمات پر پورے پختگی کے ساتھ جما رہے اور بہر قیمت انہی کے ساتھ چمٹا رہے، اگر کوئی یہ کام کرتا ہے تو قابل تعریف ہے اور اگر کوئی دینی تعلیمات کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو جس قدر کوتاہی کرے گا، اسی قدر وہ فتنہ کا شکار ہو گا اور اسی کے مطابق وہ کمزور دین وایمان والا شمار ہو گا۔

"سنن ابن ماجہ" میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً؟ قَالَ: «الْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ، يُبْتَلَى الْعَبْدُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ، فَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ صُلْبًا، اشْتَدَّ بَلَاؤُهُ، وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ، ابْتُلِيَ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ، فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ، حَتَّى يَتْرُكَهُ يَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ، وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيئَةٍ»[1]

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الفتن باب الصبر على البلاء، ج٢،ص١٣٣٤.

ترجمہ:"حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لوگوں میں مصیبت کے اعتبار سے کون زیادہ سخت ہے؟ فرمایا انبیاء کرام پھر اپنے دین پر عمل کرنے کے موافق بندے کو آزمایا جاتا ہے اگر وہ اپنے دین میں مضبوط ہو تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے، اور اگر اس کے دین میں کمزوری ہو تو اس پر اس کے دین کے مطابق آزمائش آتی ہے، بندے پر آزمائش آتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ زمین پر چلتا پھرتا ہے اور اس کے ذمے کوئی گناہ نہیں ہوتا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ آزمائش کا آنا گناہ ہونے یا اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ (بعض اوقات تو) نیکی و دین داری کی علامت ہوتی ہے کہ ہر شخص کو اپنے دین داری کے مطابق آزمایا جاتا ہے، جو جس قدر زیادہ دین دار ہوتا ہے، اس کو اسی قدر زیادہ یا مشکل امتحان کے ذریعے آزمایا جاتا ہے۔

سنن ابن ماجہ "ہی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

«عِظَمُ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ، وَإِنَّ اللهَ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ، فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السُّخْطُ»[1]

ترجمہ:" جتنا مصیبت اور آزمائش بڑا ہو اتنا ہی اس کا بدلہ بھی زیادہ ہو گا، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتے ہے تو ان کو آزماتا ہے، پس جو اس پر راضی ہوا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، اور جو اس پر ناراض ہو تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے"

---

١ سنن ابن ماجه، كتاب الفتن باب الصبر على البلاء، ج٢، ص١٣٣٨.

فتنے بڑھتے ہی رہیں گے

"سنن ترمذی" میں حضرت زبیر بن عدی سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے سامنے حجاج بن یوسف کے چند مظالم کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

مَا مِنْ عَامٍ إِلاَّ وَالَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ حَتَّى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ، سَمِعْتُ هَـذَا مِنْ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.[1]

ترجمہ: "ہر آنے والا سال پہلے والے سال سے زیادہ بدتر ہوگا، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو، میں یہ نے تمہارے نبی ﷺ سے سنا ہے، یہ حسن صحیح درجہ کی حدیث ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ فتنوں میں روز افزوں بڑھوتری ہی ہوتی رہے گی، دورِ نبوت سے لے کر اس وقت تک ہمیشہ یہی ہوتا رہاہے، جتنا زمانہ دورِ رسالت سے دور ہوتا چلا جارہاہے، اتنی ہی فتنوں کی بہتات ہورہی ہے، فتنوں کی شکلوں اور صورتوں میں تو تبدیلی آتی رہتی ہے چنانچہ ماضی بعید کے بہت سے فتنے اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بالکل مدفون ہیں لیکن ان کی جگہ نئے فتنے لے لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس وقت فتنوں کی جہاں ایسی ہے جس کا اس سے پہلے تصور بھی نہ ہوتا تھا، اس وقت بھی متعدد ایسے فتنوں کے بیج محسوس ہوتے ہیں جن سے اس وقت تو امت کو کوئی پریشانی محسوس نہیں ہورہی لیکن قوی اندیشہ ہے کہ مستقبل قریب میں وہی بیج تنا آور ہوکر ہیبت ناک فتنوں کی روپ دھارلے گا اور بےچاری امت مرحومہ کو ان کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔

---

[1] سنن الترمذي،أبواب الفتن،باب منه(باب ما جاء في أشراط الساعة)،ج٤،ص٦٢.

عقلی لحاظ سے بھی یہ بات ظاہر ہی ہے کیونکہ فتنے کی پیدائش اور پھر اس کے شکار ہونے میں دینی حس کی کمزوری کا بنیادی دخل ہوتا ہے، بعض اوقات تو معاشرے میں اس حس کی کمزوری ہوتی ہے جبکہ بسا اوقات متعلقہ شخص / اشخاص کی دینی لحاظ سے کمزوری کی وجہ سے فتنوں کا شکار ہو جایا جاتا ہے، اور اس حس کی کمزوری میں عہد نبوت سے دوری کو خصوصی دخل حاصل ہے، آپ ﷺ کا دور مسعود دینی لحاظ سے عروج وکمال کا دور تھا، رفتہ رفتہ اس میں کمزوری پیدا ہوتی رہی، حضرت مہدی موعود اور پھر ان کے بعد سیدنا حضرت عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کے دور مسعود میں جب خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہوگی، وہ دور پھر دینی حس کی بیداری اور کمال وعروج کا ہوگا۔

فتن پر بات کرنے کے فوائد

عام تاثّر یہ ہے کہ فتن اور ان کی روایات پر کلام کرنے کو زیادہ درخود اعتناء نہیں سمجھا جاتا، کتب حدیث میں بھی فتن کے ابواب کو یا تو بالکل پڑھایا نہیں جاتا، یا دیگر ابواب کی طرح ان ابواب کی طرف مناسب توجہ نہیں دی جاتی بلکہ سرسری طور پر گزارا جاتا ہے، کہیں کوئی تشریح کرنے کی نوبت آ بھی جاتی ہے تو بھی لاشعوری طور پر ایسا انداز اختیار کیا جاتا ہے جس سے سامعین کو یہ تاثر ملتا ہے کہ ان ابواب کا عملی زندگی کے ساتھ کچھ زیادہ ربط وتعلق نہیں ہے، حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہے، اور شریعت کے دیگر ابواب کی طرح یہ باب بھی بہت قابل التفات اور لائق توجہ ہے جس کی چند اہم وجوہات یہ ہیں:

ا: یہ دین اسلام کا اہم باب ہے جس کے متعلق بیسیوں احادیث اور روایات وارد ہوئی ہیں، لہٰذا اس کی حفاظت کرنا اور مناسب طریقے سے ترویج وتبلیغ کرنا بہت ضروری ہے۔

۲: احادیث ہونے کے ناطے ان کا پڑھنا، سنانا سنت ہے، حضور ﷺ نے اس موضوع کی بعض باتیں بڑے اہتمام سے ارشاد فرمائی ہیں، چنانچہ حضرات صحابہ کرام کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے دجال کا تذکرہ کچھ ایسے اہتمام کے ساتھ فرمایا جس سے ہمارا خیال ہوا کہ بس قریب سے دجال نکلنے والا ہے، اسی طرح ابن صیّاد کے بارے میں جب شبہ پیدا ہوا کہ شاید دجال ہو تو اس کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے بڑی سنجیدگی اور اہتمام کے ساتھ کچھ اہم اقدامات فرمائے تھے۔ خواب میں جب آپ ﷺ کو دکھایا گیا کہ یاجوج وماجوج کے دیوار کا کچھ حصہ کھل گیا تو آپ ﷺ بڑے پریشان ہوئے اور اس کا اظہار بھی فرمایا۔

۳: محقّق اہل علم کے نزدیک افضل علم "حال کا علم" ہوتا ہے، انسان جس حالت سے گزرتا ہے، اس وقت کے متعلق ضروری شرعی تعلیمات کو جاننا سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اس بات کی روشنی میں جب غور کیا جاتا ہے تو واضح ہوتا ہے کہ اس وقت "فتن کے ابواب" افضل علم کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ اس بات میں شبہ نہیں ہے کہ ہم جس دور میں جی رہے ہیں، وہ فتنوں سے لبریز ہے جہاں ہر سوں فتنے ہی فتنے نظر آتے ہیں۔

۴: فتنہ کے وقت عام طور پر حق وباطل اور جائز وناجائز کی تمیز مشکل ہو جاتی ہے، اور "مشتبہات" جیسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، ایسے موقع پر غلط قدم اٹھانے سے بچنے کا محتاط طریقہ اور یقینی صورت یہی ہے کہ پہلے نظریاتی طور پر متعلقہ امور کا تسلی بخش حد تک علم حاصل کیا جائے اور بعد میں عملی لحاظ سے احتیاط کے ساتھ قدم اٹھایا جائے، اگر کسی شخص کو متعلقہ فتنوں کا پتہ ہی نہ ہو تو وہ کیونکر اس سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتا ہے!

ایسے موقع کے لئے ایک حدیث شریف میں یہی تعلیم دی گئی ہے کہ گناہوں کے مواقع سے بھی اپنے آپ کو بچا کر رکھا جائے، ورنہ مشتبہ امور کے قریب پھرتے رہنے میں اندیشہ یہی ہے کہ ناجائز کام کرنے کی نوبت آجائے گی۔ چنانچہ "صحیح بخاری" میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«الحَلاَلُ بَيِّنٌ، وَالحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُشْتَبِهَةٌ، فَمَنْ تَرَكَ مَا شُبِّهَ عَلَيْهِ مِنَ الإِثْمِ، كَانَ لِمَا اسْتَبَانَ أَتْرَكَ، وَمَنِ اجْتَرَأَ عَلَى مَا يَشُكُّ فِيهِ مِنَ الإِثْمِ، أَوْشَكَ أَنْ يُوَاقِعَ مَا اسْتَبَانَ، وَالمَعَاصِي حِمَى اللَّهِ مَنْ يَرْتَعْ حَوْلَ الحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ»[1]

ترجمہ: "حلال بھی واضح ہیں اور حرام بھی، اور حلال و حرام کے درمیان کچھ امور ایسے ہیں جو مشتبہ ہیں، پس جس نے وہ کام بھی چھوڑا جس کے بارے میں اشتباہ ہے، تو وہ شخص زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اس گناہ کو جو اس کو واضح ہو گیا ہے، اور جو شخص جری ہو گیا اس گناہ پر جس کے بارے میں اسے شک ہے، تو قریب ہے کہ وہ مبتلاء ہو جائے اس گناہ کے اندر جو واضح ہے، اور معاصی اللہ تعالیٰ کے چراگاہیں ہیں، اور جو شخص چراگاہ کے ارد گرد جانور کو چرائے تو قریب ہے کہ وہ اس میں پڑے"

"سنن ترمذی" میں حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب: الحلال بين، والحرام بين، وبينهما مشبهات، ج۳، ص۵۳.

لاَ يَبْلُغُ العَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَدَعَ مَا لاَ بَأْسَ بِهِ حَـذَرًا لِمَا بِهِ البَأْسُ.[1]

ترجمہ: "بندہ متقیوں کے درجہ تک نہیں پہونچ سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے جن میں شرعاً کوئی حرج نہ ہو، اس چیز سے بچنے کے لئے جس میں حرج ہو"

فتنوں کے تین اہم فوائد و ثمرات

فتنہ اگرچہ ایک امتحان اور آزمائش کے مانند بلکہ مترادف ہے جس سے ڈرنا ہی چاہئے، احادیث مبارکہ میں بھی ہمیں یہی تعلیم دی گئی ہے کہ فتنوں سے پناہ مانگ لیا کریں، خود حضور نبی کریم ﷺ کی دعاؤں میں بھی یہ دعاء شامل تھی کہ جب تم قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے فتنہ سے حفاظت کی حالت میں موت دے دے، غرض فتنہ کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے جس کی آدمی تمنا کرے بلکہ سے اس سے ڈرتے ہی رہنا چاہئے، تاہم اس کے باوجود فتنوں کی وجہ سے امت کو متعدد فوائد بھی حاصل ہو جاتے ہیں، ان میں سے چند نمایاں فوائد یہ ہیں:

پہلا فائدہ: نیک و بد کی تمیز

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ فتنہ کی مختلف قسمیں اور متعدد شکلیں ہو سکتی ہیں، ان میں سے متعدد شکلیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اچھے برے، مخلص و غیر مخلص، دوست و دشمن کی تمیز ہو جاتی ہے، بہت سے افراد / طبقات / اداروں / ممالک کو بے جا طور پر دین کے ساتھ خیر خواہ بلکہ اس کا ذمہ دار و نگہبان تصور کیا جاتا ہے، اس تصور کی وجہ سے متعدد انفرادی اور اجتماعی کوتاہیاں وجود میں آتی ہیں جن سے امت کا نقصان

---

[1] سنن الترمذي، أبواب صفة القيامة والرقائق والورع، باب، ج٤، ص٢١٥.

ہوتا ہے، فتنوں کے وقت یہ حقیقت صاف ہوجاتی ہے کہ کون حق دوست اور اسلام کا خیر خواہ ہے اور کون نہیں؟ کون کس حد تک دین کے لئے قربانی دینے کے لئے تیار ہے؟اس لئے قرآن کریم میں یہ مضمون بھی بیان ہوا ہے کہ فتنے اورآزمائشیں صرف اس امت ہی کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ پہلے لوگوں پر بھی متنوع آزمائشیں آئی ہیں، ارشادِ خداوندی ہے:

الم (١) أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (٢) وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ[1]

ترجمہ:"کیالوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور انکو آزمایا نہیں جائے گا؟اور جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے انکو بھی آزمایا تھا(اور انکو بھی آزمائیں گے)سو خدا ان کو ضرور ظاہر کرے گا جو(اپنے ایمان میں)سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں"

اس وقت غزّہ کی مبارک سرزمین پر حق وباطل کے درمیان جو معرکہ جاری ہے،اس میں اسرائیل کی برتری اور اس کے وحشیانہ اقدامات امت کے لئے بڑا فتنہ ہے، لیکن اس فتنہ سے جہاں وہاں کے مسلمان بھائی تکلیف ومصیبت اٹھارہے ہیں،وہی دوست ودشمن کی بھی تمیز ہوگئی، اسلام کے حقیقی علمبردار اور اس کے جعلی نام لیواؤں کے درمیان واضح خط امتیاز آیا، اب پوری امت کی آنکھیں حقیقی علمبرداروں ہی کی جانب اٹھتی ہیں اور ان کی ہمدردیاں بھی انہی کے ساتھ وابستہ ہورہی ہیں جس سے اجتماعی طور پر بہت ہی فوائد وثمرات حاصل ہوں گے ان شاء اللہ۔

---

[1] القرآن الكريم،سورة العنكبوت،الاية١ — ٣.

دوسرا فائدہ: فتنہ زدہ افراد کی بخشش

ان فتنوں کی وجہ سے بہت سے افرادِ امت کی مغفرت ہو جاتی ہے، "سنن ترمذی" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا يَزَالُ البَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةِ فِي نَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَمَالِهِ حَتَّى يَلْقَى اللهَ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ.[1]

ترجمہ: "مؤمن مرد اور مؤمن عورت پر اس کے نفس یا اولاد یا اس کے مال کے بارے میں مسلسل آزمائش رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا، اور اس پر کوئی گناہ باقی نہ ہو گا"

"سنن ابی داؤد" میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أُمَّتِي هَذِهِ أُمَّةٌ مَرْحُومَةٌ، لَيْسَ عَلَيْهَا عَذَابٌ فِي الْآخِرَةِ، عَذَابُهَا فِي الدُّنْيَا الْفِتَنُ، وَالزَّلَازِلُ، وَالْقَتْلُ»[2]

ترجمہ: "کہ میری یہ امت، امت مرحومہ ہے (اس پر اللہ کی رحمت ہے) اس کے اوپر آخرت میں کوئی عذاب نہ ہو گا جبکہ دنیا میں اس کے عذاب فتنے، زلزلے، قتل غارت گری ہوں گے"

بعض روایات میں یہ آخری بات حصر کے ساتھ بیان فرمائی گئی ہے کہ اس امت کا عذاب تو یہی فتنے، زلزلے اور قتل ہی ہیں۔

---

[1] سنن الترمذي،أبواب الزهد،باب ما جاء في الصبر على البلاء،ج٤،ص١٨٠.

[2] سنن أبي داود،كتاب الفتن والملاحم باب ما يرجى في القتل (٤/ ١٠٥)

بہر حال اس روایت سے واضح ہوا کہ یہ ظاہری فتنے مسلمان کے لئے مغفرت کا ذریعہ بن جاتے ہیں، جن کی وجہ سے اس کی کمزوریاں وکوتاہیاں بخش دئے جاتے ہیں، اب ظاہری طور پر تو اس کا نقصان ہوتا ہے لیکن اس کا انجام وفائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس تھوڑی سی تکلیف ومشقت کی وجہ سے آخرت کے عذاب سے حفاظت نصیب ہوجاتی ہے۔

تیسرا فائدہ: غیر معمولی اجر وثواب ملنا

فتنے جب اجتماعی صورت اختیار کرلیتے ہیں تو دینی احکام پر عمل کرنا مشکل ہوجاتا ہے، ایسے مشکل ماحول میں دینی احکام کے مطابق زندگی گزارنا اور دینی تعلیمات پر استقامت کے ساتھ جمے رہنا ایک ایسا عمل ہے جس کی احادیث مبارکہ میں بہت ہی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، چنانچہ "مستدرک حاکم" میں حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ١٠٥ کے متعلق استفسار کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يا أبا ثعلبة، مروا بالمعروف وتناهوا عن المنكر، فإذا رأيت شحا مطاعا وهوىٰ متبعا ودنيا مؤثرة ورأيت أمرا لابد لك من طلبه فعليك نفسك ودعهم وعوامهم، فإن وراءكم أيام الصبر صبر فيهن كقبض علىٰ الجمر للعامل فيهن أجر خمسين يعمل مثل عمله»[1]

---

[1] المستدرك على الصحيحين للحاكم، (٤/ ٣٥٨)

ترجمہ: "اے ابو ثعلبہ نیکی کا حکم کرتے رہو اور ایک دوسرے کو برائی سے روکتے رہو پس جب تک کہ تم یہ دیکھو کہ کسی کنجوس آدمی کی اطاعت کی جاتی ہے اور خواہش نفسانی کی اتباع کی جاتی ہے اور دنیا کے پیچھے بھاگا جاتا ہے اور ایسے کام کو دیکھو جس کا آپ کے لئے تلاش کرنا ضروری ہو تو پھر تمہارے ذمہ اپنی فکر ہے اور عوام کو چھوڑ دو کیونکہ تمہارے بعد ایسے دن آنے والے ہیں کہ جن میں صبر کرنا (دین پر) ایسا ہے کہ جیسے انگارہ کو پکڑنا۔ ان دنوں میں دین پر عمل کرنے والے کو پچاس عامل افراد کا اجر ملے گا جو اس جیسا عمل کرتے ہیں"

"سنن ابی داؤد" کی روایت میں مزید یہ اضافہ بھی ہے:

قال: یا رسول اللہ: أجرُ خمسین منهم؟ قال: "أجرُ خمسين منكم".[١]

ترجمہ: "یہ پچاس کا اجر ان میں سے پچاس کا ہوگا؟ فرمایا کہ نہیں تم میں سے پچاس کا"

غور کیا جائے تو دین کے تقاضوں کے خلاف ماحول میں دینی احکام پر عمل کرتے رہنا اگرچہ مشکل اور صبر آزما کام ہے لیکن اس کے بدلے جس قدر اجر وثواب ملتا ہے وہ بھی کچھ کم نہیں ہے، ایک شخص کو اپنے جیسے پچاس افراد کے نیک اعمال کا ثواب ملے تو یہ کس قدر اجر وفضیلت کی بات ہے! اور "سنن ابی داؤد" کی روایت کے مطابق اس سے عام پچاس افراد مراد نہیں ہے بلکہ خاص حضرات صحابہ کرام میں سے پچاس افراد مراد ہیں، یہ اس قدر عظمت وفضیلت کی بات ہے جس کا حقیقی تصور کرنا ہی مشکل ہے۔

صحابہ کرام نے کتنی مشکل گھاٹیوں پر سے گزر کر یہ منصب حاصل کیا، اس کا سچا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جس کو اس مبارک جماعت کے احوال کا علم ہو، ایک

---

[١] سنن أبي داود، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، ج٦، ص٣٩٦.

ہجرت کرنے کا عمل ہی اتنا مشکل اور کھٹن اقدام تھا جس کے مقابلے میں ہمارے اس دور کے مشکلات ہیچ ہیں، لیکن پھر بھی ایک شخص کو پچاس اشخاص کے برابر ثواب ملنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے، اس عظیم نعمت پر خدا تعالیٰ کا کتنا اور کیسے شکر ادا کیا جائے؟ زبان وبیان اس سے قاصر ہیں۔

"صحیح مسلم" میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«الْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ»[1]

ترجمہ: "فتنے کے دور میں عبادت کرنا ایسا ہے گویا کہ میری طرف ہجرت کرنا"

"ہرج" سے قتل وغارت گری وغیرہ فتنوں کا زمانہ مراد ہے، اور "عبادت" سے صرف نماز، روزہ وغیرہ مخصوص عبادات مراد نہیں ہے بلکہ پورا دین ہی اس لفظ کے تحت داخل ہے، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ فتنوں کے زمانے اور ماحول میں دینی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنا آپ ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کے مترادف ہے، ہجرت خود بھی عظیم عبادت اور بڑے ہی اجر وثواب کا کام ہے، پھر جب خاص حضور ﷺ کی طرف کی جائے تو اس کے ثمرات وبرکات ان گنت ہیں، فتنوں کے زمانے میں دین پر ثابت قدم رہنا اس عظیم عمل کی طرح اجر وثواب کا باعث ہے۔

فتنے کے ایام میں کرنے کے چار کام

ایک مسلمان کو فتنوں کے واقع ہونے سے مایوس نہیں ہونا چاہئے بلکہ مسلمان ہونے کے ناطے ہر موقع پر اس کا سوچ یہ ہونا چاہئے کہ اس وقت میرے کرنے کا کام

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب فضل العبادة في الهرج، ج٤، ص٢٢٦٨.

کیاہے؟ دین وشریعت اس موقع پر میری کیارہنمائی کرتی ہے؟اور میں کس طرح اس رہنمائی کے مطابق اپنی صلاحیتیں صرف کر سکتا ہوں؟ دینِ اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ شاہراہِ زندگی کے کسی بھی موڑ پر اپنے ماننے والے کو بے یار ومد گار نہیں چھوڑتا بلکہ ہر موقع پر اس کی بروقت اور بجا رہنمائی کرتا ہے، مسلمان کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ اس رہنمائی کو معلوم کرلے اور پھر اسی کے مطابق کوئی قدم اٹھائے، اپنی تمام تر خواہشات ومفادات کو اس پر قربان کرے۔

فتنوں کے ماحول میں مسلمان کے کرنے کے کام چار ہیں:

۱:موجودہ اور سابقہ تمام گناہوں سے سچی توبہ کرنے کا اہتمام کرنا۔

۲:صبر سے کام لینا، ثابت قدم رہنا، فتنہ کا شکار نہ ہونا۔

۳:اپنے اعمال ونظریاتی زندگی کے حدود کی نگرانی کرنا، احادیث مبارکہ کی روشنی میں فتنے سے بچاؤ کے لئے جو اسباب ووسائل ذکر فرمائے گئے ہیں، حسبِ ضرورت ان کو بروئے کار لانا۔

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

{أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ}[1]

ترجمہ:"کیاوہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال ایک یادو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، پھر بھی نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں"

یہاں کفار کی مذمت کی جارہی ہے کہ ان کو ہر سال ایک دوبار آزمایاجاتا ہے لیکن وہ پھر بھی توبہ نہیں کرتے!معلوم ہوا کہ فتنوں اور امتحانات کے باوجود توبہ نہ کرنا

---

[1] سورة التوبةالاية١٢٦.

اور اللہ تعالیٰ کی طرف پورے طورپر متوجہ نہ ہونا مذموم کام اور ناپسندیدہ عمل ہے جس سے ایک مسلمان کو دور ہی رہنا چاہئے۔

دوسری جگہ ارشاد ربّانی ہے:

{وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ}[1]

ترجمہ:"اور ضرور ہم خوف وہراس، بھوک کی تکلیف اور مال وجان اور پھلوں کے نقصان سے تمہارا کچھ امتحان لیں گے، صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے"

اس سے معلوم ہوا کہ کسی نہ کسی درجے میں آزمائش اور امتحان ہر شخص کا ہوگا کہ یہ دنیا ہی امتحان کی دنیا ہے، اس لئے یہ تمنا تو غلط اور بالکل بے جا ہے کہ انسان آزمائش کا شکار ہی نہ ہو، تاہم اس میں سعادت مند افراد وہی ہیں جو صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھے اور کسی بھی موقع پر شریعت کے مقرر کردہ حدود وقیود سے تجاوز وانحراف نہ کریں۔

۴:فتنوں کے حوالے سے ایک مسلمان کا چوتھا ترجیحی کام یہ ہے کہ اپنے اعمال اور اخروی انجام کی فکر کرتا رہے، وہاں کی شادمانی وکامیابی کے لئے نیک اعمال کی جمع پونجی اکھٹا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے بلکہ فتنے میں جزوی یا کلی طور پر مبتلا ہونے سے پہلے پہلے نیک اعمال کا ذخیرہ جمع کرتا رہے، چنانچہ "صحیح مسلم" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ»[1]

---

[1] سورة البقرة،١٥٥.

ترجمہ:"اعمال صالحہ میں جلدی کرو قبل اس کے کہ وہ فتنے ظاہر ہو جائیں جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے "

فتنوں کی مختلف نوعیتیں

احادیث مبارکہ میں مختلف فتنوں کے مختلف حالات مذکور ہیں، بعض فتنے ایسے ہیں جن کے نتیجے میں انسان ایمان کی دولت سے محروم ہو کر کافر ہو جاتا ہے، بعض کی وجہ سے وہ فسق وفجور کی وادیوں میں داخل ہو جاتا ہے، اسی طرح فتنے کی سنگینی کے لحاظ سے بھی مختلف حالات مذکور ہیں اور ان سے بچنے کے اسباب ووسائل بھی یکساں نہیں ہیں، یہاں اسی لحاظ سے متعلقہ احادیث اوران سے حاصل ہونے والی باتوں کو ذکر کرنا مقصود ہے۔

پہلی تقسیم: چھوٹے اور بڑے فتنے

" صحیح بخاری "میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَقَالَ: أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الفِتْنَةِ، قُلْتُ أَنَا كَمَا قَالَهُ: قَالَ: إِنَّكَ عَلَيْهِ أَوْ عَلَيْهَا لَجَرِيءٌ، قُلْتُ: «فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ، تُكَفِّرُهَا الصَّلاَةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ، وَالأَمْرُ وَالنَّهْيُ»، قَالَ: لَيْسَ هَذَا أُرِيدُ، وَلَكِنِ الفِتْنَةُ الَّتِي تَمُوجُ كَمَا يَمُوجُ البَحْرُ، قَالَ: لَيْسَ

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الحث على المبادرة بالأعمال قبل تظاهر الفتن، ج۱ص۱۱۰.

عَلَيْكَ مِنْهَا بَأْسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا، قَالَ: أَيُكْسَرُ أَمْ يُفْتَحُ؟ قَالَ: يُكْسَرُ، قَالَ: إِذًا لاَ يُغْلَقَ أَبَدًا.[1]

ترجمہ: "ہم حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے سو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: تم میں سے کون ایسا ہے کہ اس کو فتنوں کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث یاد ہو؟ میں نے کہا کہ: مجھے وہ حدیث بعینہ اس طرح یاد ہے جس طرح آپ ﷺ نے فرمایا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بے شک تم آپ ﷺ پر یا اس حدیث پر بہت جری ہو میں نے کہا مرد کا فتنہ اس کی بیوی، اس کے مال، اس کے اولاد اور اس کے ہمسایہ میں ہے، نماز، روزہ، صدقہ کا دینا، نیکی کی بات کرنا اور برائی سے روکنا فتنے کو دور کر دیتا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میری مراد یہ نہیں ہے، بلکہ میں اس بڑے فتنے کا حال دریافت کرنا چاہتا ہوں جو دریا کے موج کی طرح موج مارتا ہے حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ تجھ کو اس سے کچھ خوف نہیں، بے شک تیرے اور فتنے کے درمیان ایک دروازہ ہے جو کہ بند ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے توڑ دیا جائے گا یا کھول دیا جائے گا، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ اسے توڑ دیا جائے گا، فرمایا تب تو وہ کبھی بھی بند نہ ہو سکے گا۔"

اس روایت سے واضح ہوا کہ فتنوں کی دو قسمیں ہیں:

۱: ایک قسم چھوٹے فتنوں کی ہے جو نماز، روزہ، صدقہ اور بعض دیگر نیک کاموں سے بخش دئے جاتے ہیں، ان فتنوں کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنی جان، مال اور اولاد وغیرہ کے ساتھ ربط و تعلق رکھنے میں تجاوز سے کام لے، یہ تجاوز کبھی تو اس طرح عمل میں آتی ہے کہ حق دار کی حق تلفی کی جاتی ہے جبکہ بسا اوقات تعلق میں

---

[1] صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب الصلاة كفارة، ج۱، ص۱۱۱.

مبالغہ سے کام لے کر شرعی حدود کو پامال کرنے کی نوبت آجاتی ہے، دونوں باتیں مذموم ہیں، البتہ نماز وغیرہ نیک اعمال سے ان کوتاہیوں کی تلافی ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمالیتے ہیں۔

۲: دوسری قسم ان فتنوں کی ہے جو خود بخود معاف نہیں ہوتے بلکہ ان کی نوعیت سمندر کے موجوں جیسی ہوتی ہے، جس طرح سمندر کی موجیں تسلسل کے ساتھ آتے رہتے ہیں اور اپنے مقابل کو زیر کر ہی لیتے ہیں، یوں ہی اس نوعیت کے فتنوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ تسلسل کے ساتھ اٹھتے اور ابھرتے رہتے ہیں، ایک ختم ہوتا ہے تو دوسرا سر اٹھالیتا ہے اور ساتھ اس کی ہولناکی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ مقابل میں جو بھی شخص آتا ہے وہ ان فتنوں کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے، ان فتنوں کی وجہ سے جو لوگ متاثر ہو جاتے ہیں، وہ ضرور گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں اور یہ گناہ بھی ایسے ہیں جن کا اچھی طرح توبہ کئے بغیر بخشش نہیں ہوتی۔

"صحیح مسلم" میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فتنوں کو گنتے ہوئے ارشاد فرمایا؛

«مِنْهُنَّ ثَلَاثٌ لَا يَكَدْنَ يَذَرْنَ شَيْئًا، وَمِنْهُنَّ فِتَنٌ كَرِيَاحِ الصَّيْفِ مِنْهَا صِغَارٌ وَمِنْهَا كِبَارٌ»[١]

ترجمہ: "ان میں تین ایسے ہیں جو کسی بھی چیز کو نہ چھوڑیں گے ان میں سے کچھ فتنے گرمی کی ہواؤں کی طرح ہوں گے ان میں سے بعض چھوٹے اور بعض بڑے ہوں گے"

---

[١] صحيح مسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب إخبار النبي صلى الله عليه وسلم فيما يكون إلى قيام الساعة، ج٤، ص٢٢١٦.

یہاں بعض فتنوں کو گرمی کی ہواؤں کی طرح بتلایا گیا ہے، اس سے مقصود یہی ہے کہ فتنوں کی نوعیت اور ان کا حجم مختلف ہو گا، بعض فتنے بڑے جبکہ بعض چھوٹے ہوں گے، مشہور علم دوست وزیر یحییٰ بن ہبیرہ اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوله: (ومنهن فتن كرياح الصيف) يعني برياح الصيف أنها وان اشتدت فإنها دون رياح الشتاء.[1]

ترجمہ: "اور ان میں سے ایسے فتنے ہوں جیسا کہ گرمی کی ہوا، یعنی گرمی کی اگرچہ سخت ہوتی ہیں لیکن وہ سردی کی ہواؤں سے کم ہوتی ہے"

اندھے بہرے پیچیدہ فتنے

"صحیح ابن حبان" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ مِنْ فِتْنَةٍ عَمْيَاءَ صَمَّاءَ بَكْمَاءَ، الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي، وَيْلٌ لِلسَّاعِي فِيهَا مِنَ اللهِ يوم القيامة"[2]

ترجمہ: "افسوس صد افسوس عرب کے اس شر پر جو کہ قریب آپہنچا ہے اندھا، بہرہ اور گونگا فتنہ کہ جس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہو گا، اور کھڑے

---

١ الإفصاح عن معاني الصحاح، مسند حذيفة بن اليمان العبسي -رضي الله عنه، ج٢، ص٢٤٩.

٢ صحيح ابن حبان، كتاب التاريخ، باب إخباره صلى الله عليه وسلم عما يكون في أمته من الفتن والحوادث، ذكر البيان بأن الفتن التي ذكرناها قصد العرب بتوقعها دون غيرهم، ج١٥، ص٩٨.

ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہو گا، اور چلنے والا بہتر ہو گا دوڑنے والے سے، اور اس میں دوڑنے والے کے لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہلاکت ہے"۔

اس روایت سے واضح ہوا کہ:

۱: فتنہ عام امت کے حق میں شر ہی ثابت ہوتا ہے، یہاں روایت میں خاص عرب کا ذکر ہے، بعض روایات میں اس کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے کہ فتنہ عرب کے ہر ہر گھر میں داخل ہو گا، بہر حال یہاں گو صراحت کے ساتھ عرب کا ذکر فرمایا گیا ہے لیکن صرف وہی اس فتنے سے متاثر نہیں ہوں گے بلکہ دیگر مسلمان بھی اس کے شکار ہوں گے، عرب قوم کا ذکر کسی خاص عنصر کی بنیاد پر فرمایا گیا ہے، حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إنما خص العرب بالذكر لأنهم أول من دخل في الإسلام وللإنـذار بأن الفتن إذا وقعت كان الهلاك أسرع إليهم[1]

ترجمہ:"حدیث میں عرب کا ذکر خاص کر کیا گیا اس لئے کہ وہ پہلے اس میں داخل ہوئے ہیں، اور فتنوں سے ڈرانے کے لئے کہ اگر وہ واقع ہو جائے تو انہیں جلدی ہلاک کرے گا"

۲: یہاں فتنہ کو اندھا، بہرہ اور گونگا فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ یہ فتنہ بہت پیچیدہ ہو گا جس میں حقیقت تک رسائی یا معصیت سے حفاظت کی صورت بہت ہی مشکل ہو جائے گی، یا مقصود یہ ہے کہ لوگ بے سوچے سمجھے اس میں کود پڑیں گے، دیکھنے، مشاورت کرنے اور غور کرنے کی زحمت محسوس نہیں کریں گے بلکہ یوں ہی

---

[1] فتح الباري لابن حجر،قوله باب قول النبي صلى الله عليه وسلم ويل للعرب من شر قد اقترب، ج١٣، ص١١.

اندھوں، بہروں اور گونگوں کی طرح فتنہ کے شکار ہو جائیں گے، یا اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی کہ کسی تجربہ کار سے مشورہ کرلیں یا از خود ہی عقل و تدبر سے کام لے لیں۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

والمراد بكونها "عمياء صماء": أن تكون بحيث لا يرىٰ منها مخرجا ولا يوجد دونها مستغاثا أو أن يقع فيها الناس علىٰ غرة من غير بصيرة فيعمون فيها ويصمون عن تأمل الحق واستماع النصح.[1]

ترجمہ: "اور عمیاء اور صماء ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس طور پر ہوں گے کہ ان سے کوئی چھٹکارا نہیں ملے گا، اور اس کے خلاف کوئی مدد کرنے والا بھی نہیں ملے گا، یا یہ کہ لوگ اس میں بغیر کسی بصیرت کے واقع ہو جائیں گے، تو اس میں حق میں غور کرنے سے اور نصیحت کو غور سے سننے سے اندھے اور بہرے ہوں گے"

علامہ طیبی رحمہ اللہ بھی یہی مفہوم لکھتے ہیں:

والمراد بكونها عمياء صماء أن تكون بحيث لا يرىٰ منها مخرج ولا يوجد دونها مستغاثا، أو أن يقع فيها الناس علىٰ غرة من غير بصيرة فيعمون فيها ويصمون عن تأمل الحق واستماع النصح.[2]

سے کوئی چھٹکارا نہیں ملے گا، اور اس کے خلاف کوئی مدد کرنے والا بھی نہیں ملے گا، یا یہ کہ لوگ اس میں ایک طرف بغیر کسی بصیرت کے واقع ہو جائیں گے، تو اس میں

---

[1] تحفة الأبرار شرح مصابيح السنة، كتاب الفتن، ج٣، ص٣٣٠.

[2] شرح المشكاة للطيبي الكاشف عن حقائق السنن، كتاب الفتن، ج١١ ج ٣٤١٢.

اندھے ہوں گے، اور بہرے ہوں گے حق میں غور کرنے سے اور نصیحت کو غور سے سننے سے"

اس سے معلوم ہوا کہ پیچیدگی کے لحاظ سے بعض فتنوں کا یہ حال ہو گا کہ ان سے اپنے دامن کو بچانا مشکل ہو گا۔ مشکل ہونے کی وجہ خواہ یہ ہو کہ عملی طور پر حق وباطل آپس میں قریب قریب دکھائی دیتے ہوں، دونوں کے درمیان خط امتیاز کھینچنا مشکل ہو، خواہ عملی طور پر تمیز نہ کرنا ہی مشکل ہونے کی اصل واساس ہو، بہر حال شدید فتنے ہوں گے جس سے دامن کو حفاظت وعافیت کے ساتھ بچا کر نکالنا بڑا ہی مشکل اور دل گردے کا کام ہو گا، علامہ مظہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فتنةٌ عمياءُ صَمَّاءُ"؛ يعني: فتنةٌ شديدة، لا يكون قتال أهل ذلك الزمان عن بصيرة، بل كما أن الأعمى لا يدري أين يذهب، فكذلك أولئك الجماعة لا يدرون بأي سبب يقاتلون.[1]

ترجمہ: "اندھے بہرے فتنے سے مراد سخت قسم کا فتنہ ہے کہ جس میں اس زمانے کے لوگ بصیرت کے ساتھ قتال نہیں کریں گے، بلکہ جس طرح اندھے آدمی کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس طرف جا رہا ہے، اسی طرح اس جماعت کو بھی یہ پتہ نہیں ہو گا کہ وہ کس بنیاد پر قتال کر رہے ہیں"

۳: روایت کے آخر میں یہ سبق بھی دیا گیا کہ اس فتنے میں بیٹھا شخص کھڑے شخص سے بہتر ہو گا، کھڑا شخص چلنے والے سے اور وہ بھاگنے والے سے بہتر ہو گا، غرض جو شخص اس فتنے کے ماحول سے جس قدر دور ہو گا، اسی قدر وہ دوسروں کی بنسبت زیادہ بہتر ہو گا۔ دوسری روایت سے اس کی وجہ یہ واضح ہو جاتی ہے کہ اس نوعیت کے فتنوں میں

---

[1] المفاتيح في شرح المصابيح، كتاب الفتن، ج٥، ص٣٥٩.

کھینچنے کی صفت بہت ہو گی، کوئی شخص صرف دیکھنا چاہے گا لیکن فتنہ اس کو اچک کر اپنے دامن میں ڈال دے گا، کوئی شخص کان لگا کر صرف سننا چاہے گا اور سننے ہی پر اکتفاء کرنا چاہے گا لیکن اس فتنہ کی جاذبیت / معصومیت کا یہ حال ہو گا کہ عملی طور پر اس پر اکتفاء نہیں ہو پائے گا بلکہ یہ فتنے ہر دیکھنے سننے والوں کو اپنے آغوش میں رکھ کر متاثر کر دیں گے، اور دینی لحاظ سے اس کو کسی نہ کسی درجے میں نقصان پہنچا کر ہی رہیں گے۔

اس لئے محض لوگوں کا کسی ناجائز یا نامناسب بات پر ٹوٹ پڑنا اچھائی کی دلیل نہیں ہے بلکہ ہر چیز کو شرعی ترازو پر احتیاط وباریک بینی کے ساتھ تولنا ضروری ہے۔

کفریہ اور فسقیہ فتنے

فتنہ کبھی تو اپنے دامن میں فسق وفجور لے کر آتی ہے اور لوگوں کو فاسق یا گمراہ کر کے چھوڑتا ہے اور بسا اوقات کچھ فتنے ایسے بھی آجاتے ہیں جو اپنی جولی میں کفر کا زہر بھر کر آئیں گے، اس کی وجہ سے محض لوگ گمراہ یا فاسق نہیں ہوں گے بلکہ اسلام وایمان کی دولت وسعادت سے محروم ہو کر کفر کی دہلیز پر قدم رکھیں گے۔ چنانچہ "صحیح مسلم" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا»[1]

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الحث على المبادرة بالأعمال قبل تظاهر الفتن، ج١، ص ١١٠.

ترجمہ:"ان فتنوں کے ظاہر ہونے سے پہلے جلد جلد نیک اعمال کر لو جو اندھیری رات کی طرح چھا جائیں گے صبح آدمی ایمان والا ہو گا اور شام کو کافر یا شام کو ایمان والا ہو گا اور صبح کافر اور دنیوی نفع کی خاطر اپنا دین بیچ ڈالے گا"

"سنن ابی داؤد" کی روایت میں یہ بات تاکید کے انداز میں بیان فرمائی گئی ہے ،ایک روایت میں یہ ذکر فرمایا گیاہے کہ قیامت سے پہلے ایسے فتنے ضرور ہوں گے اور دوسری روایت میں قیامت کی صراحت نہیں ہے ،اتنا ارشاد فرمایا گیاہے کہ تمہارے سامنے ایسے فتنے ضرور آئیں گے، پھر ان دونوں روایتوں میں اس نوعیت کے فتنوں سے بچاؤ کی تدبیر بھی سمجھائی گئی ہے جس کی پوری تفصیل دوسرے باب میں ذکر ہو گی۔

"سنن ابی داؤد" کی روایت یہ ہے:

عَنْ أَبِي كَبْشَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا مُوسَى، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي»، قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: «كُونُوا أَحْلَاسَ بُيُوتِكُمْ»[1]

ترجمہ:"تمہارے سامنے فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح نمودار ہوں گے آدمی اس میں صبح کو مومن ہو گا اور شام کو کافر، شام کو مومن ہو گا صبح کو کافر بیٹھنے والا شخص اس میں کھڑے ہوئے شخص سے بہتر ہو گا اور کھڑا ہوا شخص اس میں چلنے والے سے بہتر اور چلنے والا شخص اس میں کوشش کرنے والے سے بہتر ہے لوگوں نے کہا آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا کہ اپنے گھروں کے ٹاٹ کی طرح ہو جاؤ"

---

[1] سنن أبي داود، كتاب الفتن والملاحم،باب في النهي عن السعي في الفتنة،ج٤،ص١٠١.

اس روایت مبارکہ سے اصل سبق تو یہی ملتا ہے کہ ایسے تاریک فتنوں کے آنے یا ان میں مبتلا ہونے سے پہلے پہلے نیک اعمال و عبادات کی طرف توجہ دیدینی چاہئے، نعمت و عافیت کی زندگی میں نیکیوں کا سرمایہ جمع کرتے رہنا چاہئے کہ مشکلات کی چکی ؔ میں پھنس جانے کے بعد پھر اس کی نوبت آنی مشکل ہے، لیکن اس سے فتنوں کے بارے میں درج ذیل تین اہم باتیں بھی مستفاد ہوجاتی ہیں:

ا: بعض فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں / حصوں کی طرح کالے تاریک ہوں گے، اندھیری رات سے وہ رات مراد ہے جس میں چاند کی روشنی بھی نہ ہو، اس کے ٹکڑوں یا حصوں کے ساتھ تشبیہ دینے کا مقصود یہ ہے کہ جس طرح ایسی رات کی تاریکی گہری سیاہ ہوتی ہے جس میں دور کی چیزوں کا تو کیا کہنا، قریب کی چیزوں کو پوری طرح پہچاننا بھی مشکل ہوتا ہے، ایک چیز یا فرد کے ساتھ پہلے سے کافی کچھ شناخت ہوتی ہے لیکن ایسی اندھیری رات میں اس کو بھی پہچاننا مشکل ہوجاتا ہے، پھر جوں جوں رات بڑھتی ہے، ساتھ ساتھ اندھیرا بھی زیادہ ہوتا رہتا ہے، بس یہی کچھ صورت فتنوں کی بھی ہوتی ہیں، اس میں حق و باطل کی شناخت مشکل ہوجاتی ہے، پہلے سے حق و باطل کا علم ہونے کے باوجود بھی جب فتنہ اپنے دبیز پردے ڈال دیتا ہے تو اس کے بعد عملی طور پر یہ امتیاز کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ حق کیا اور کونسا ہے اور باطل کہاں ہے؟ التباس و بے اطمینانی کی فضاء قائم ہوجاتی ہے اور اس بات کا امکان بڑھ جاتا ہے کہ پوری نیک نیتی کے باوجود بھی حق کی جگہ باطل کی طرف قدم اٹھایا جائے۔

حضرت ملاؔ علی قاری رحمہ اللہ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أي: كل فتنة كقطعة من الليل المظلم في شدتها وظلمتها وعدم تبين أمرها. قال الطيبي - رحمه الله: يريد بذلك التباسها وفظاعتها، وشيوعها واستمرارها.[1]

ترجمہ: "ہر فتنہ شدت، ظلمت اور حال معلوم نہ ہونے کے بارے میں اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ: اس سے فتنوں کا خلط ملط ہونا اور اس کا قبیح ہونا اور اس کا پھیلنا اور مسلسل ہونا ہے"

۲: ان فتنوں کی پیچیدگی اور ہولناکی کا یہ عالم ہوگا کہ صبح آدمی مسلمان ہوگا لیکن شام ہونے سے پہلے وہ فتنہ میں پھنس کر ایمان کو خیر باد کر چکا ہوگا، اسی طرح شام کو کوئی شخص مسلمان ہوگا لیکن صبح ہونے سے پہلے وہ ایمان کی دولت سے محروم ہو چکا ہوگا، غرض لوگوں کی ایمانی حالت میں استحکام باقی نہیں رہے گا بلکہ تزلزل پیدا ہو جائے گا، کسی وقت اگر کوئی شخص مسلمان ہوگا تو ممکن ہے کہ دوسرے وقت میں فتنہ اس کو اپنے آغوش میں لے کر اس عظیم دولت سے محروم ہی کر دے۔

۳: حدیث شریف کے آخری جملے میں کافر ہونے کی وجہ بھی ارشاد فرمائی گئی ہے جس سے فتنہ کا اصل سراغ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے، فرمایا کہ انسان دنیا کے معمولی مفاد کے لئے بھی دین کی قربانی دے گا، اس سے فتنہ کی نوعیت اور اس کا اصل سراغ معلوم ہو جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ مادیت کا فتنہ ہوگا جس میں دنیا کی قدر واہمیت دل میں بیٹھ جائے گی، دل ودماغ کے نہاں خانوں کو دنیا ہی کی محبت گھیر لے گی، دل کے کسی گوشے میں دین وآخرت کی اہمیت کا نام ونشان نہ رہے گا، پیار ومحبت، دوستی وقرابت، بغض وعداوت اور نفرت ودشمنی کی عمارت مادی بنیادوں پر استوار ہوگی،

---

[1] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الفتن، ج۸، ص۳۳۹۵.

کامیابی وناکامی کا معیار ومدار یہی دنیوی ترقی ہو کر رہ جائے گی، اسی کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھاجائے گا،خون تمنّا اور جوش دل صرف کرنے کا یہی میدان بن جائے گا۔

ایسی صورت حال میں چونکہ دین، ایمان اور آخرت کی فوز وفلاح کی کوئی سچی حقیقی قدر دل میں نہ رہے گی، اس لئے جہاں بھی دینی تقاضوں کا دنیوی مفادات کے ساتھ تضاد وتصادم کی فضاء قائم ہوگی، وہاں دنیوی مفاد ہی کی طرف قدم اٹھتے جائیں گے، اس کے نتیجہ میں دینی واجبات کے ساتھ بے رغبتی اور بے التفاتی جنم لے گی، دینی جرائم ومعاصی کے ساتھ نفرت کے جذبات ختم ہوجائیں گے بلکہ جب ان کے ساتھ غیر معمولی دنیوی مفاد وابستہ ہوجائے گا تو نہ صرف یہ کہ شرعی حکم کی اہمیت دل سے نکل جائے گی بلکہ ایک گونا اس جرم کے ساتھ دلی وابستگی اور وارفتگی کے جذبات نمودار ہوں گے اوریہی وہ جگہ ہے جس کے ساتھ کفر کے سرحدات جڑے ہوئے ہیں جہاں لاشعوری طور پر بھی اقلیمِ کفر میں داخل ہوجایاجاتاہے۔

مشہور محدث علامہ مظہری رحمہ اللہ نے فتنوں کے اس سیل رواں میں کافر ہوجانے کی مختلف صورتیں لکھی ہیں، ان میں تیسری صورت ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وثالثها: ما يجري بين الناس مما يخالف الشرع في المعاملات، والمبايعات وغيرها فيستحلونها، والله تعالىٰ أعلم.[1]

---

[1] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الفتن، ج۸، ص۳۳۸۳.

ترجمہ:"اس کی تیسری صورت یہ ہے جو لوگوں کے درمیان خلاف شرع معاملات خرید وفروخت وغیرہ کے چلتے ہیں،ان کو وہ حلال سمجھیں گے ، اور باقی اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے"

جن لوگوں کو دینی درد کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کی زندگی دیکھنے پرکھنے کا تجربہ ہے،وہ اس بات میں تامل کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ جب کوئی گناہ معاشرے کا حصہ بن جاتاہےاور بےاعتنائی کے ساتھ کھلِ عام اس کا ارتکاب کیاجاتاہے تواس کے بعد عام لوگوں کے دل میں اس کو گناہ خیال کرنا اور قابل نفرت وبغض سمجھنابڑاہی مشکل ہوجاتاہے،ازخود توایسا کرنادرکنار،کسی کے بتانے سمجھانے کے باوجود بھی وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ہمارے ہاں جو گناہ ومعاصی عام رواج کا حصہ بن چکی ہیں،ان کولوگوں نے گناہ سمجھناہی ختم کردیا،اب باربار بتانے اور متنبہ کرنے کے باوجود بھی وہ اس کو دلی طورپر گناہ سمجھنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔

اجتماعی کفر کے فتنے

"سنن دارمی"میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم: أن هذه السورة لما أنزلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم {إذا جاء نصر الله والفتح ورأيت الناس يدخلون في دين الله أفواجا} قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «ليخرجن منه أفواجا كما دخلوه أفواجا»[1]

ترجمہ:"حضرت ابوہریرہؓ نے آپ ﷺ سے رویت نقل کیاہے کہ جب یہ سورۃ(إذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون في دین اللہ أفواجا) آپ ﷺ پر نازل ہوئی تو

[1] سنن الدارمي،باب في وفاة النبي صلى الله عليه وسلم،ج١،ص٢٢٤.

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اسلام سے لوگ اس طرح گروہ در گروہ نکلیں گے جس طرح گروہ در گروہ داخل ہوئے تھے"

اس روایت میں "فتنہ "کا لفظ تو مذکور نہیں ہے لیکن اجتماعی طور پر جماعت کے جماعت کا مرتد ہو جانا بجا ئے خود ایک فتنہ ہے اور ساتھ یہ فتنہ ہی کی خاصیت ہے کہ ہوشیار افراد کی جماعتیں تک اپنے ہی ہاتھوں دین کی دولت سے محروم ہو جائیں۔اس روایت میں ایسے ہولناک اور خطرناک فتنے کی خبر دی گئی ہے جس میں ایک فرد یا جماعت ہی نہیں بلکہ فوج در فوج لوگ مرتد ہوں گے، فوج در فوج لوگوں کے مرتد ہونے کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مختلف افراد انفرادی طور پر کوئی اقدام کرتے رہیں جس سے آدمی کافر ہو جاتا ہو اور ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سب لوگ مل کر اجتماعی طور پر اس طرح حرکت کریں۔ بہر حال ظاہری صورت خواہ کچھ ہی ہو لیکن لوگ فوج در فوج ایمان کی دولت سے محروم ہوں گے۔

اس کی ایک وجہ یہ ہو گی کہ دین کی باتوں سے غفلت ولا پرواہی برتی جائے گی، مسلمان ہونے اور مسلمان رہنے کے لئے کونسی باتیں ضروری ہیں؟ کن باتوں سے انسان کافر ہو جاتا ہے؟ ان جیسی موٹی موٹی باتیں جاننے کی بھی زحمت گوارا نہیں ہو گی جس کی وجہ سے سینکڑوں لوگ لاشعوری طور پر ایمان سے محروم ہوتے رہیں گے۔ دوسری وجہ یہ ہو گی کہ دل کی دنیا میں دین وآخرت کی قدر واہمیت نہیں رہے گی، مادیت اور ظاہری نعمت وترقی کو معیارِ کمال وکامیابی سمجھا جائے گا، اس لئے تصادم کے وقت دنیوی فائدہ ومفاد کی خاطر دینی احکام کی قربانی دی جاتی رہے گی جس میں بسا اوقات ایسی صورتیں بھی پائی جاسکتی ہیں جن کی وجہ سے انسان کافر ہو جاتا ہے، چنانچہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ:

۱: ایسے مواقع میں لوگ مختلف کفریہ کلمات تک بولتے ہیں۔

۲: بہت سے لوگ ایسے دینی احکام کو لائق التفات خیال نہیں کرتے۔
۳: کچھ لوگ ان کو قابل عمل تصور نہیں کرتے۔
۴: بعض لوگ ان احکام کو مسلمانوں کے زوال وانحطاط کا ذریعہ سمجھ کر ایک گونا توہین کرتے ہیں۔
۵: کچھ جرأت مند ان کے ساتھ مسخرہ پن تک کرتے ہیں۔

عام وخاص فتنے

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

{وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (٢٥)}[1]

ترجمہ: "اور اس فتنے سے ڈرو جو خصوصیت کے ساتھ انہیں لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں گنہگار ہیں۔ اور جان رکھو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے"

اس آیت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فتنوں کی دو قسمیں ہیں:

۱: ایک قسم فتنے وہ ہیں جو متعلقہ اشخاص تک ہی محدود ہوتے ہیں، جو شخص ان میں مبتلا ہو جاتا ہے، اسی تک اس کا اثر پہنچتا ہے اور وہی اس سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ فتنے سے متاثر ہونے کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو عذاب دیا جائے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دینی کاموں کی توفیق وسعادت سے وہ محروم ہو جاتا ہے۔

---

[1] سورة الأنفال الاية٢٥.

۲: دوسری قسم ان فتنوں کی ہے جو متعلقہ شخص / اشخاص تک ہی محدود نہیں ہوتے بلکہ دیگر افراد بھی اس سے متاثر ہو جاتے ہیں، بعض افراد نے شرعی جرم کا ارتکاب نہیں کیا ہوتا لیکن عام فتنے میں ان تک بھی فتنے کا اثر پہنچتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ ایسے غیر محدود فتنے کب اور کیوں آتے ہیں؟ امت ان کی شکار کیوں ہوتی ہے؟ اور پھر اس کا انجام و نتیجہ کیا نکلے گا؟ اس کا جواب درج ذیل دو احادیث سے واضح ہو جاتا ہے، "صحیح بخاری" میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ اس حالت میں آرام سے بیدار ہوئے کہ آپ ﷺ کا چہرہ انور سرخ تھا، اس دوران آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ، فُتِحَ اليَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هَذِهِ» وَعَقَدَ سُفْيَانُ تِسْعِينَ أَوْ مِائَةً قِيلَ: أَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ؟ قَالَ: «نَعَمْ، إِذَا كَثُرَ الخَبَثُ»[1]

ترجمہ: "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے عرب عن قریب شر سے ہلاک ہوں گے آج یاجوج ماجوج کی دیوار اس قدر کھول دیا گیا حضرت سفیانؒ نے نوے یا سو کے لئے انگلی باندھی (یعنی عرب کے طریقہ پر اشارہ کے لئے) کسی نے عرض کیا کہ نیکوں کی موجودگی کے باوجود بھی ہم ہلاک ہوں گے؟ فرمایا کہ ہاں، جبکہ خباثت کی کثرت ہو گی"

اس روایت سے واضح ہوا کہ جب امت میں گناہوں اور خباثتوں کی کثرت ہو جائے تو اس وقت نیک افراد بھی ہلاکت کے شکار ہو جاتے ہیں، اب نیک افراد نے اگر

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: «ويل للعرب من شر قد اقترب»، ج۹، ص۴۸.

اپنی استطاعت کے مطابق گناہوں کی روک تھام کی کوشش کی ہو تو ان پر آخرت کے لحاظ سے وبال نہیں ہو گا ورنہ تو اگر شرعی تقاضوں کے باوجود انہوں نے اس باب میں مداہنت سے کام لیا ہو تو اس جرم کی حد تک وہ بھی مجرم شمار ہوں گے۔ بہر حال جب فتنے اور گناہ سے معاشرہ آلودہ ہو جاتا ہے اور صلاح و نیکی کی بنسبت گناہ و عصیان کی کثرت ہو جاتی ہے تو اس وقت ایسا معاشرہ عمومی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے، اگر ہلاکت کی شکل میں ان کو عذاب دینا منظور ہو تو اس میں نیک و بد کی تمیز نہیں کی جاتی بلکہ سبھی افراد ہلاک کر دئے جاتے ہیں۔

"صحیح بخاری" ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يَغْزُو جَيْشٌ الكَعْبَةَ، فَإِذَا كَانُوا بِبَيْدَاءَ مِنَ الأَرْضِ، يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ» قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ، وَفِيهِمْ أَسْوَاقُهُمْ، وَمَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ؟ قَالَ: «يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ، ثُمَّ يُبْعَثُونَ عَلَى نِيَّاتِهِمْ»[1]

ترجمہ: "نبی ﷺ نے فرمایا کہ: کعبہ پر ایک لشکر حملہ آور ہو گا جب وہ بیدا کھلے میدان میں پہنچیں گے، تو اول سے اخیر تک سب میدان میں دھنسا دیئے جائیں گے، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیونکر وہ ابتداء سے انتہا تک دھنسا دیئے جائیں گے جب کہ ان میں بازار والے ہوں گے اور وہ لوگ ہوں گے جو ان میں سے نہیں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ: اول سے آخر تک دھنسا دیئے جائیں گے پھر ان کو ان کی نیتوں کے مطابق اٹھایا جائے گا"

---

[1] صحيح البخاري، كتاب البيوع،باب ما ذكر في الأسواق،ج٣،ص٦٦.

اس روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو سوال اٹھایا، وہ بڑا اہم ہے، اس کا حاصل یہی ہے کہ لشکر کے تمام افراد کا مجرم ہونا ضروری نہیں ہے، ایسے بھی افراد اس میں ہوسکتے ہیں جو خود بے گناہ ہوں اور زبردستی ان کو لشکر میں شامل کر دیا گیا ہو، عمومی عذاب میں ایسے افراد بھی دوچار ہوں گے تو ان کا جرم کیا ہے؟ اس کے جواب کا حاصل یہ ہوا کہ یہاں دنیا میں تو پورا ہی لشکر دنیوی عذاب سے دوچار ہوگا، البتہ آخرت کے لحاظ سے ہر ایک کا اپنے نیت ومقصد کے لحاظ سے حساب وکتاب ہوگا اور اسی کے مطابق جنت یا جہنم کا فیصلہ ہوگا۔

عمومی نوعیت کے فتنوں میں بھی ایسا ہی سمجھ لینا چاہیئے کہ دنیوی لحاظ سے سبھی افراد اس کے نتائج سے دوچار ہوں گے لیکن اخروی لحاظ سے ہر ایک کا اپنا نامہ اعمال ہوگا اور اسی کے مطابق اس کے حتمی انجام کا فیصلہ ہوگا۔

ظاہری اور باطنی فتنے

متعدد روایات میں ظاہری اور باطنی فتنوں سے حفاظت کی دعاء کا ذکر آیا ہے، چنانچہ "صحیح مسلم" میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ، مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ» قَالُوا: نَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ،[1]

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه، وإثبات عذاب القبر والتعوذ منه، ج٤، ص٢١٩٩.

ترجمہ:" آپ ﷺ نے فرمایا تم ہر قسم کے ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو صحابہ کرام نے عرض کیا: ہم ہر قسم کے ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں"

یہاں ظاہر فتنے کا مقصود وہ فتنہ ہے جو پوشیدہ نہ ہو جبکہ باطن سے پوشیدہ فتنہ مراد ہے، یا ظاہر سے وہ فتنہ مراد ہے جس کا تعلق انسان کے ظاہری اعضاء وجوارح کے ساتھ ہو جبکہ باطنی فتنے سے وہ مذموم اخلاق وعادات وغیرہ مراد ہے جو دل کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، مثال کے طور پر بد نظری، بدکلامی جیسی چیزیں ظاہری فتنے ہیں جبکہ کبر، بغض، خود پسندی جیسی صفات وعادات باطنی فتنے ہیں۔ علامہ مظہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ما ظهر منها وما بطن)؛ أي: الجَهر والسِّرُّ، وقيل: (ما ظهر): ما يجري علىٰ ظاهر الإنسان، و (ما بطن): ما يكون في القلب من الشرك والرياء والحسد وغير ذلك من مذمومات الخواطر، و (بطن) ضد (ظهر).[1]

ترجمہ:"ظاہری اور باطنی فتنوں سے مراد کھلے اور چھپے فتنے ہیں، بعض کے نزدیک

مراد وہ ہے جو دل میں ہوں جیسا کہ شرک، ریاکاری اور حسد وغیرہ ان مذموم چیزوں میں سے جو دل میں آتا ہو"

---

[1] المفاتيح في شرح المصابيح، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر، ج١، ص٢٢٥.

شبہات وشہوات کے فتنے

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ فتنوں کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

۱: شبہات واعتراضات کا فتنہ۔ دینی احکام وتعلیمات پر دل میں شبہات واعتراضات پیدا ہو جائیں، اس فتنہ کا بنیادی سبب دینی علم کی کمی یا فقدان ہے، اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ دینی علم کو درست طریقے سے حاصل کیا جائے۔

۲: شہوات کا فتنہ۔ خواہشات کے لئے دینی احکام کی خلاف ورزی کی جائے، اس فتنہ کا بنیادی باعث دل کی دنیا پر خواہشات کا غلبہ پانا ہے، اس سے محفوظ رہنے کا طریقہ یہی ہے صبر ومجاہدہ کی عادت ڈالی جائے۔[1]

مفتون ہونے کی پہچان وعلامت

"مستدرک حاکم" میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے (موقوف) روایت ہے:

«إذا أحب أحدكم أن يعلم أصابته الفتنة أم لا، فلينظر فإن كان رأىٰ حلالا كان يراه حراما فقد أصابته الفتنة، وإن كان يرىٰ حراما كان يراه حلالا فقد أصابته» هذا حديث صحيح الإسناد علىٰ شرط الشيخين، ولم يخرجاه "[2]

---

[1] علامہ موصوف رحمہ اللہ نے اپنی مفید کتاب "إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان: ج۲، ص۱۶۵" میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، یہاں کچھ ترمیم وتغییر کے ساتھ اس کا حاصل لکھا گیا ہے۔

[2] [التعليق - من تلخيص الذهبي] على شرط البخاري ومسلم، المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب الفتن والملاحم، ج٤، ص٥١٤.

ترجمہ: "اگر کوئی اپنے بارے میں تحقیق کرنا چاہے کہ وہ فتنہ کا شکار ہے یا نہیں تو وہ یہ دیکھ لے کہ ایک کام جسے وہ پہلے حرام سمجھتا تھا اب وہ اسے حلال سمجھتا ہے تو سمجھ لے کہ وہ فتنہ میں مبتلا ہے، اور اگر پہلے حلال سمجھتا تھا اور اب وہ اس کو حرام سمجھتا ہے تو سمجھ لے کہ یہ فتنہ میں مبتلا ہے"۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو فتنوں کا خصوصی علم تھا، آپ ﷺ نے اس باب کی باتیں ان کو خصوصی طور پر بتائی تھیں اور اس باب کے ساتھ خود ان کا ذوق بھی تھا، اس لئے ان باتوں میں آپ کی باتیں خصوصی اور بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ بہر حال اس روایت کی روشنی میں کسی شخص کے مفتون ہونے کی نشانی یہ ہے کہ اس کے خیال میں تغیر پیدا ہو جائے، ایک وقت ایک چیز کو حلال کہہ رہا تھا، پھر حرام سمجھنا شروع کرے، یا پہلے جس چیز کو حرام سمجھ رہا تھا، اب اس کو حلال سمجھنا شروع کرے۔

حلال و حرام کے سلسلے میں رائے اور موقف کی تبدیلی اجتہاد و تحقیق کے طور پر بھی ہو سکتی ہے اور محض خواہشات کی اتباع کی وجہ سے بھی۔ پہلی صورت میں یہ تبدیلی مضر و مذموم نہیں ہے بلکہ اہل علم کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے اور ضرورت کے مطابق اس کے اظہار کرنے میں بھی مضائقہ نہیں ہے جبکہ دوسری صورت بہر حال خطرناک اور فتنہ میں مبتلا ہونے کی نشانی ہے۔

فتنہ میں ابتلاء کی بنیادی نشانی

یاد رہے کہ مفتون ہونے کی نشانی صرف یہی نہیں ہے اور جو شخص اس کوتاہی میں مبتلا نہ ہو، ضروری نہیں کہ وہ مفتون بھی نہ ہو، لہٰذا اگر کوئی شخص دینی ہدایات کے مطابق فتنوں سے اپنے دامن کو بچا کر زندگی گزارنا چاہتا ہے اور وہ سچے معنی میں اس بات کی تڑپ رکھتا ہو کہ آخرت میں ناکامی کا سامنا نہ کرنا پڑے تو اس کے لئے صرف اس بات

پر اکتفاء کرنا کافی نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فتنوں کی مختلف قسمیں ہیں اور ساتھ افراد اور ماحول کی بھی متنوع حالات ہیں، ہر قسم فتنہ کے اپنے اثرات ہوتے ہیں جس سے اس کی پہچان ہوتی ہے، بعض فتنے بعض افراد کے حق میں اسی بات کے حامل ہوتے ہیں کہ ان کو حلال وحرام میں بے جا رائے زنی پر ابھارتے ہیں جبکہ بعض فتنے عملی کوتاہیوں پر ابھارنے کا کام کرتی ہیں۔ اس باب میں اگر ضابطہ کی بات کی جاسکتی ہے تو شاید وہ یہی ہوگی کہ علم یا عمل میں بگاڑ پیدا ہو جائے، پھر جس درجہ بگاڑ پیدا ہوگا، اس درجہ فتنے کی ہولناکی متصور ہوگی، اس بگاڑ کی سب سے اندوہناک شکل یہ ہے کہ ایک طرف نظریاتی یا عملی سطح پر اسباب کفر کا ارتکاب کیا جاتا رہا اور دوسری طرف اس کا احساس بھی نہ رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب دوم:

فتنے کے مختلف مصداقات:

تطبیقی پہلو

پہلے باب میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ "فتنہ" کا لفظ مختلف معانی اور متعدد مفاہیم کے لئے استعمال ہوتا ہے البتہ عام طور پر اس سے درج ذیل معانی مراد لئے جاتے ہیں:

۱: قتل وغارت گری

۲: تکلیف وعذاب اور اس کی متنوع صورتیں

۳: گناہ ومعاصی

۴: گناہوں پر مشتمل ماحول جہاں دینی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ان میں سے کسی بھی معنی کو لے کر دیکھا جائے تو اس وقت فتنے صرف موجود ہی نہیں بلکہ بہت عروج پر ہیں، اور فتنوں کی نشو ونما اور عروج آج کی پیداوار نہیں ہے بلکہ بہت پہلے سے اس کا راج رہا ہے۔

پہلے مصداق کا تطبیقی جائزہ

مثال کے طور پر ان میں سے پہلے مفہوم یعنی قتل وغارت گری کو دیکھا جائے تو اس وقت انفرادی اور اجتماعی ہر لحاظ سے یہ فتنہ عروج پر ہے، بات بات پر ایک دوسرے کو قتل کیا جاتا ہے، مختلف اقوام وممالک مختلف طریقوں سے ایک دوسرے کے خلاف بر سر پیکار ہیں، اس صدی میں اس قتل وغارت گری کی وجہ سے کروڑوں انسان لقمہ اجل بن چکے ہیں، تمام قتلوں کا احاطہ کرنا تو مقصود نہیں اور آسان بھی نہیں، ایک تحقیق کے

مطابق صرف پہلی جنگ عظیم میں دو کروڑ سے زیادہ اور دوسری جنگ عظیم میں ساڑھے پانچ یا ساتھ آٹھ کروڑ افراد لقمہ اجل بن چکے ہیں۔

دوسرے مصداق کا تطبیقی جائزہ

تکلیف وعذاب کے مفہوم کو لے کر دیکھا جائے تو اس وقت انسانیت مختلف قسم کے عذابوں میں گرفتار وسرگرداں ہے، بے امنی وبدامنی خواہ اس کا تعلق جان کے ساتھ ہو، یا عزت ومال کے ساتھ ہو، ہر طرح کی بدامنی عروج پر ہے، ناجائز طریقوں سے ایک دوسرے کے مال کھانے، اس کی عزت تار تار کرنے کا عام رواج ہے، مہنگائی بھی عروج پر ہے، زلزلے، طوفان وغیرہ آسمانی آفات بھی پہلے کی بنسبت بہت ہی زیادہ ہو چکے ہیں، نت نئے امراض بھی پیدا ہو رہے ہیں اور پرانے امراض کے مریضوں کی تعداد بھی مسلسل بڑھ رہی ہے بلکہ اب ایسے افراد بہت کم رہ گئے جو کسی بھی قسم کی بیماری کے شکار نہ ہوں، بے چینی اور بے سکونی نے لاکھوں نہیں کروڑوں لوگوں کا جینا دوبھر کر دیا ہے جس کی وجہ سے خودکشی جیسے کاموں کا بازار گرم ہے۔

تیسرے مصداق کا تطبیقی جائزہ

گناہ ومعاصی کا بازار ہر طرف گرم ہے، انفرادی واجتماعی زندگی کا کوئی گناہ ایسا نہیں جو اس وقت انجام نہ دیا جاتا ہو، شخصی لحاظ سے ایک عام انسان کا جائزہ لیا جائے تو اس کی آنکھ، کان، زبان، دل ودماغ اور ہاتھ پاؤں میں سے کوئی عضو گناہ سے محفوظ نہیں ہے، دل ودماغ کے گناہوں اور منکرات کو تو اس وقت عام طور پر گناہ ہی تصور نہیں کیا جاتا، ان کے علاوہ ظاہری اعضاء سے متعلق بھی دسیوں گناہ ایسے ہیں جن کا گناہ ہونا قرآن وسنت سے بالکل ظاہر ہے لیکن اس وقت ان کو بھی عام معاشرہ گناہ تصور نہیں کرتا، معاشرے کی روِش کو دیکھ کر ایک عام خالی الذہن شخص بھی اس کو گناہ تصور کرنے سے

قاصر رہتا ہے، اگر ان گناہوں سے باقاعدہ توبہ کرنے کا اہتمام کیا جاتا تو بھی معاملہ کچھ سہل تھا، لیکن اس کی بھی پابندی نہیں ہوتی۔ یہ تو شخصی اور انفرادی زندگی کی گناہوں اور منکرات کا حال ہے، جہاں تک اجتماعی زندگی کا سوال ہے تو وہاں سیکولرازم وغیرہ نعروں کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ دین نہیں بلکہ بااقتدار لوگوں کو گوارا بھی نہیں ہے، اس لئے وہاں صرف عملی گناہوں کا قضیہ نہیں ہے بلکہ نظریاتی بگاڑ کی وجہ سے اسلام کا محفوظ رکھنا اور دائرہ اسلام کے اندر ہو کر رہنا ہی مشکل بن چکا ہے۔

چوتھے مصداق کا تطبیقی جائزہ

گناہوں کے اس قدر راج ورواج کی وجہ سے ماحول بھی بگڑ چکا ہے، ماحول ومعاشرہ کا بگاڑ وتکدّر اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ ایک عام مسلمان کے ذہن سے حلال وحرام کی تمیز، جائز وناجائز کا فرق ختم ہو رہا ہے، اب کسی چیز کو حرام وممنوع کہنا لوگوں کے لئے اس سے رُکنے کا باعث ہے اور نہ ہی کسی چیز کو واجب یا فرض کہنا لوگوں کے لئے کچھ زیادہ دلچسپی واہمیت کا موجب ہے، ہر چیز کو مادی یا رسمی سانچے میں دیکھا جاتا ہے اور اسی تناظر میں کسی چیز کی قدر وقیمت اور اہمیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

الغرض اس وقت مسلمان معاشرے کا قریب قریب وہی حال بنتا جا رہا ہے جس کی بعض روایات میں پیش گوئی فرمائی گئی تھی، چنانچہ "سنن ابی داوٗد" میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«كَيْفَ بِكُمْ وَبِزَمَانٍ» أَوْ «يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ زَمَانٌ يُغَرْبَلُ النَّاسُ فِيهِ غَرْبَلَةً، تَبْقَى حُثَالَةٌ مِنَ النَّاسِ، قَدْ مَرِجَتْ عُهُودُهُمْ، وَأَمَانَاتُهُمْ، وَاخْتَلَفُوا فَكَانُوا هَكَذَا» وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، فَقَالُوا: وَكَيْفَ بِنَا يَا

رَسُولَ اللہ؟ قَالَ: «تَأْخُذُونَ مَا تَعْرِفُونَ، وَتَذَرُونَ مَا تُنْكِرُونَ، وَتُقْبِلُونَ عَلَىٰ أَمْرِ خَاصَّتِكُمْ، وَتَذَرُونَ أَمْرَ عَامَّتِكُمْ»[1]

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا اس زمانہ میں کیا حال ہو گا یا فرمایا کہ قریب ہے ایسا زمانہ آجائے کہ لوگوں کو چھان لیاجائے گا اور ان چان بھورا باقی رہ جائے گا جن کے عہد ٹوٹ جائیں گے اور ان کی امانتوں میں خیانت ہو گی اور اختلاف کیا کریں گے اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ملا دیا کہ اس طرح آپس میں اختلاف کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اس وقت ہم کیسے رہیں؟ فرمایا کہ جس کو تم اچھا سمجھتے ہو اسے پکڑے رہو اور جسے برا سمجھتے ہو اسے چھوڑ دو اپنے خاص خاص لوگوں کے معاملات کی طرف متوجہ ہو۔ اور اپنے عوام کو چھوڑ دو"

قدیم وجدید فتنوں کا فرق

امت مرحومہ میں فتنے کچھ آج پیدا نہیں ہوئے بلکہ بہت پہلے سے ہیں، خود حضرات صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے دور میں بھی مختلف فتنے پیدا ہوئے، سلف صالحین کے دور کے بعد فتنوں میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا رہا، بعض مواقع پر کچھ فتنے اپنے عروج تک بھی پہنچتے رہے ہیں اور کبھی بعض فتنوں میں کمی بھی ہوتی رہی ہے، لیکن دور حاضر کے فتنوں اور پہلے ادوار کے فتنوں میں متعدد فرق ہیں، ان میں سے چند نمایاں فروق اس جذبے کے ساتھ یہی سپرد قلم کئے جاتے ہیں کہ سنجیدگی کے ساتھ ان پر غور کیاجائے اور ان کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنے کا اہتمام کیاجائے گو اپنی استطاعت کے مطابق ہی ہو۔

---

[1] سنن أبي داود، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، ج٤، ص١٢٣.

پہلا فرق: دائرہ کار کا فرق

دونوں قسم کے فتنوں میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ وہ فتنے عالمگیر تو کیا ہوتے ، آج کل کی زبان میں ملک گیر بھی نہ تھے، اسلامی قلمرو کے اطراف واکناف میں ایسی شخصیات کی قابل لحاظ تعداد ہوتی تھی جن کی بدولت فتنوں کے سیاہ بادل چھٹ جاتے تھے، کچھ دیر کے لئے آفاق پر سیاہی چھاتی جاتی تو جلدی ہی وہ ہدایت کی روشنی میں تبدیل ہو جاتے تھے، لیکن اس وقت فتنے عالمگیر نوعیت کے ہیں، ایک مغربیت کے فتنے ہی کو لیجئے، اس نے پوری دنیا کو اپنے لپیٹ میں لے رکھا ہے، اس کی اصلاح وتردید کرنے والی شخصیات اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ بالکل ناپید تو نہیں ہیں لیکن اس تعداد میں نہیں ہے جو مؤثر کن کردار ادا کر سکیں۔

دوسرا فرق: حفاظتی چھتری کا فقدان

دونوں قسم کے فتنوں میں فرق کا ایک بنیادی نکتہ یہ بھی ہے کہ اس زمانے میں فتنہ کی رات خواہ کتنی ہی لمبی اور اس کی سیاہی کتنی ہی اندوہناک ہوتی لیکن بہر حال خلافت کی چھتری مسلمانوں کے سروں پر قائم اور ان کی نگہبان تھی جس کا بنیادی مقصد ہی لوگوں کو دینی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی سہولت فراہم کرنا اور اس راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹوں اور فتنوں کا مقابلہ کرنا ہوتا تھا، اس وقت پوری امت مرحومہ اس حفاظتی چھتری سے محروم ہے، اب جس طرح بے چھت میدان ومکان میں کیچڑ پیدا کرنے کے لئے ہلکی پلکی بارش بھی کافی ہوتی ہے اور محفوظ چھت والے مکان کے سایے تلے ہر چیز محفوظ ہوتی ہے خواہ بارش کتنی موسلادھار کیوں نہ ہو، یوں ہی خلافت کے بغیر معاشرے کو راہ راست سے ہٹانے اور ہٹائے رکھنے کے لئے معمولی سا فتنہ

بھی کافی ہوتا ہے جبکہ خلافت کے جھنڈے تلے جو معاشرہ رہتا ہے، وہاں بڑے فتنے زیادہ ہلاکتوں کا باعث نہیں بنتے۔

تیسرا فرق: قبول حق کی استعداد کا ختم ہو جانا

تیسرا اہم اور بنیادی فرق یہ ہے کہ ان ادوار میں فتنے اگرچہ موجود تھے اور خاطر خواہ افراد اس کی ضد میں بھی آتے تھے لیکن بایں ہمہ معاشرے کے عام افراد میں حق قبول کرنے کی استعداد ولیاقت موجود ہوتی تھی، کچھ افراد بلاشبہ پوری طرح فتنہ کے شکار ہو جاتے تھے لیکن عام مسلمان اس حد تک مفتون نہ ہوتے جن میں حق قبول کرنے کی مزید گنجائش ہی نہ رہے، یہی وجہ ہوتی کہ ایک بار یا چند بار متنبہ کرنے اور اصلاحی کوششوں کو بروئے کار لانے کے بعد وہ راہ راست پر آجاتے تھے اور یوں فتنہ کی حشر سامانی کم ہو جاتی تھی ۔موجودہ دور کے فتنوں کی نوعیت اس سے بالکل مختلف ہے، یہاں لوگوں میں رفتہ رفتہ حق قبول کرنے کی استعداد ہی ختم ہو رہی ہے، وہ اصلاحی کوششوں کو سن دیکھ کر ان پر سوچنے اور تدبر کرنے کی زحمت ہی نہیں اٹھاتے بلکہ کان لگانا بھی گوارا نہیں کرتے۔

بعض روایات میں یہ مضمون ذکر فرمایا گیا ہے کہ اس امت سے پہلے پہل جو چیز اٹھائی جائے گی وہ امانت ہو گی، بعض روایات میں اس کے ساتھ حیاء کا بھی ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ علامہ خرائطی کے "مکارم الاخلاق" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

«أَوَّلُ مَا يُرْفَعُ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْحَيَاءُ وَالْأَمَانَةُ؛ فَسَلُوهُمَا اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى»[1]

ترجمہ: "اس امت سے سب سے پہلے حیاء اور امانت کو اٹھایا جائے گا، پس تم اللہ تبارک وتعالیٰ سے ان دونوں چیزوں کو مانگا کرو"

"مستدرک حاکم" میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

«إن أول ما تفقدون من دينكم الأمانة، وآخر ما يبقى الصلاة، وأن هذا القرآن الذي بين أظهركم يوشك أن يرفع»[2]

ترجمہ: "تم اپنے دین میں سے سب سے پہلے امانت کو گم پاؤ گے، اور آخر میں نماز رہ جائے گی، اور یہ قرآن کریم جو تمہارے درمیان میں ہیں قریب ہے کہ اسے اٹھادیا جائے"

یہاں جس "امانت" کے اٹھائے جانے کا ذکر ہے، متعدد محدثین کے نزدیک اس سے حق قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی صلاحیت واستعداد مراد ہے۔

چوتھا فرق: موانع رشد وہدایت کا موجود ہونا

قدیم زمانے اور موجودہ دور کے فتنوں کا باہم ایک فرق یہ بھی ہے کہ وہاں اگرچہ لوگ فتنوں کے شکار ہوجاتے تھے لیکن اس کے باوجود ان میں اس بات کا بیج بھی موجود ہوتا کہ رشد وہدایت کی باتیں سن دیکھ کر ان پر عمل کریں، فتنہ سے باز آکر ہدایت کے راستے پر گامزن ہوجائیں لیکن موجودہ دور کے جو فتنے ہیں، ان کی ہولناکی کا یہ عالم ہے

---

[1] مكارم الأخلاق للخرائطي، باب فضيلة الحياء وجسيم خطره، ص١١١.

[2] المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب الفتن والملاحم، ج٤، ص٥٤٩.

کہ لوگوں کو صرف راہ راست سے ہٹانے ہی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ان کے دل ودماغ میں رشد وہدایت کے راستے پر گامزن ہونے سے رکاوٹیں بھی پیدا کرڈالی۔

یہ رکاوٹیں کونسی ہیں اور ان کا عملی نتیجہ وانجام کیا ہے؟ درج ذیل حدیث شریف کی روشنی میں اچھی طرح غور وفکر کرنے سے یہ دونوں عقدے حل ہوجاتے ہیں اور دونوں ہی باتوں کا سراغ مل جاتاہے، "سنن ابی داؤ" میں حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ ایک صاحب کے سوال کا جوب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں جنہوں نے سورۃ مائدہ کی آیت "{عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ}؟" کے بارے میں دریافت کیا تھا:

أَمَا وَاللَّهِ لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْهَا خَبِيرًا، سَأَلْتُ عَنْهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «بَلِ ائْتَمِرُوا بِالْمَعْرُوفِ، وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ، حَتَّى إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا، وَهَوًى مُتَّبَعًا، وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً، وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ، فَعَلَيْكَ - يَعْنِي - بِنَفْسِكَ، وَدَعْ عَنْكَ الْعَوَامَّ، فَإِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامَ الصَّبْرِ، الصَّبْرُ فِيهِ مِثْلُ قَبْضٍ عَلَى الْجَمْرِ»[1]

ترجمہ: "اللہ کی قسم! تم نے ایک جاننے والے سے اس کے متعلق سوال کیا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ نیکی کا حکم کرتے رہو اور ایک دوسرے کو برائی سے روکتے رہو یہاں تک کہ تم یہ دیکھو کہ کسی کنجوس آدمی کی اطاعت کی جاتی ہے اور خواہش نفسانی کی اتباع کی جاتی ہے اور دنیا کے پیچھے بھاگا جاتاہے اور ہر صاحب رائے اپنی رائے کو ترجیح دیتاہے تو پھر اپنے آپ کی فکر کرو اور عوام کی فکر چھوڑ دو کیونکہ تمہارے بعد ایسے دن آنے والے ہیں کہ جن میں صبر کرنا (دین پر) ایساہے کہ جیسے انگارہ پکڑنا"

---

[1] سنن أبي داود، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، ج٤، ص١٢٣.

اس روایت سے واضح ہو جاتا ہے کہ جب کسی فرد / قوم میں درج ذیل چیزیں جگہ پکڑ لیتی ہیں تو اس کے بعد ان پر اچھی باتوں کی تلقین و نصیحت کارگر نہیں ہوتی، اس لئے ایسے وقت ان کے پیچھے پڑنے کا کوئی خاطر خواہ فائدہ بھی نہیں ہوتا، وہ چار چیزیں یہ ہیں:

۱: بخل و کنجوسی کے جذبات جن کی پیروی کی جائے۔

۲: خواہشات ایسا قبضہ جمائے کہ بہر حال ان کے پیچھے چلا جائے۔

۳: دنیا اور اس کے مفاد کو (دینی اور اخروی مفاد پر) ترجیح دی جانے لگے۔

۴: ہر شخص اپنی ہی سوچ اور اپنی ہی رائے کو پسند کرنا شروع کرے۔

غور کیا جائے تو یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ ان غلط عادات وصفات کے مستحکم ہو جانے کے بعد کسی سے یہ توقع رکھنا کہ وہ حق کی بات کو قبول کرلے گا اور دنیوی مفاد کو قربان کر کے دینی حکم پر عمل کرلے گا، بے جا سی بات ہے۔

موجودہ معاشرے کے واقعی حالات پر جن لوگوں کی نظر ہے، وہ اس بات میں دورائے نہیں رکھتے کہ اس وقت امت مرحومہ کی اکثریت ان باتوں میں مبتلا ہیں، ان کے دل و دماغ کو ان باتوں نے گھیر رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ اصلاحی کوششیں بھی زیادہ بار آور ثابت نہیں ہوتی جن کی وجہ سے امت کے حالات میں دینی لحاظ سے کوئی بہتری آجائے بلکہ رفتہ رفتہ تغیر اور انحطاط ہی کا سفر جاری ہے۔

انفرادی اور اجتماعی زندگی میں فتنوں کا سائبان

ایک عام مسلمان کو اپنی زندگی میں کن کن فتنوں کا کس کس طرح سامنا کرنا پڑتا ہے؟ اس کو قدیم فلاسفہ کی ترتیب کے مطابق تین مراحل پر تقسیم کر کے اس کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے، فلاسفہ انسانی زندگی کو تین مدارج میں تقسیم کرتے ہیں، پہلے

درجہ کو "تہذیب اخلاق"، دوسرے کو "تدبیر منزل" جبکہ تیسرے درجہ کو "سیاست مدنیہ" کہتے ہیں، اس کو آسانی کے طور پر ترتیب وار "شخصی زندگی"، "خاندانی یا معاشرتی زندگی" اور "ملکی زندگی" سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہاں کافی اختصار کے ساتھ اس کو ذکر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

شخصی زندگی میں فتنوں کا ماحول

انسانی معاشرے کا پہلا مرحلہ تہذیب اخلاق کا ہے جو انسان کی فردی اور شخصی زندگی سے عبارت ہے، دینی لحاظ سے انسان کی شخصیت کو درج ذیل تین اجزاء میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱: نظریات وخیالات، اس کا تعلق دماغ وعقل کے ساتھ ہوتا ہے اور یہی بنیادی محرّک کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲: اخلاق وصفات، اس کا تعلق انسان کے دل کے ساتھ ہوتا ہے اور دل کی حیثیت باقی تمام اعضاء کے مخدوم وبنیاد کی سی ہوتی ہے۔

۳: ظاہری اعمال وافعال، اس کا تعلق انسان کے باقی اعضاء کے ساتھ ہوتا ہے جس میں ہاتھ، پاؤں اور آنکھ وغیرہ اعضاء شامل ہیں۔

نظریات کے میدان میں فتنے

نظریات وخیالات کے لحاظ سے اس وقت بگاڑ یہ ہے کہ دینی لحاظ سے جن نظریات کا رکھنا ضروری یا بہتر ہے، ان کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کی جاتی، اور جو نظریات شرعی تعلیمات سے متصادم ہیں، ان پر یقین رکھا جاتا ہے، مغربی افکار ونظریات کو علمی مسلّمات کے طور پر سمجھا جاتا ہے، ان کو تہذیب واعتدال باور کیا جاتا ہے بلکہ بہت سے لوگ تو اس کو اچھے برے کی تمیز کے لئے لاشعوری طور پر ایک فیصلہ کن پیمانہ کی حیثیت دیتے ہیں۔ ان

نظریات وافکار میں اکثریت ایسے تصورات کی ہے جن کو معصوم الفاظ اور دلکش عنوانات کے جامے میں پیش کیاجاتا ہے، جو شخص اس کے پورے پس منظر سے اچھی طرح واقف نہ ہو، اس کے لئے اس کی تردید کرنا ممکن نہیں رہتا، بلکہ اس کو ان نظریات کی غلطیاں سمجھانا بھی عام حالات میں مشکل ہوتاہے، مثال کے طور پر "آزادی"، "مساوات" اور "انسانیت" کے نعرے ہیں جو اپنے دامن میں متعدد ایسے خطرناک نظریات کو لئے ہوئے ہیں جن سے دین اسلام بلکہ کسی بھی آسمانی دین ومذہب کی عمارتیں ہی منہدم ہوسکتی ہیں، لیکن الفاظ اتنے جاذب نظر ہیں کہ ہر کوئی اس پر فریفتہ ہوجاتا ہے۔

اخلاق وصفات کے میدان میں فتنے

اخلاق وصفات کے لحاظ سے بگاڑ کا یہ حال ہے کہ:

۱۔ ایک تو اس کو دین ومذہب کا حصہ ہی خیال نہیں کیا، بعض لوگ دین کا حصہ تو سمجھتے ہیں لیکن ضروری جزء تصور نہیں کرتے بلکہ ایک اضافی یا مستحب کام خیال کرتے ہیں۔

۲۔ دوسری بڑی غلطی یہ رائج ہے کہ اس باب میں اچھائی برائی کا معیار دین وشریعت کو نہیں ٹھہرایاجاتا کہ شریعت جس خلق وصفت کو اچھا یا برا کہے، وہ اچھا یا برا ٹھہرے بلکہ عقل، رسم ورواج وغیرہ چیزوں کو بنیاد تصور کیاجاتا ہے۔

۳۔ تیسری بڑی غلطی یہ کی جاتی ہے الفاظ واصطلاحات کے غلط استعمال کی وجہ سے بعض اچھے اخلاق کو برے اور مذموم صفات واخلاق کا درجہ دیاجاتا ہے اور بعض ایسے اخلاق جو شرعی نقطہ نظر سے قابل اجتناب ومذموم ہوتے ہیں، ان کو اچھے عنوانات کا لبادہ اوڑھ کر اچھی صفات اور قابل تعریف اخلاق کے طور پر پیش کیاجاتا ہے، مثال کے طور احساس کمتری، تذلل، وغیرہ عنوان کے تحت تواضع وغیرہ اچھی صفات واخلاق کو مذموم باورا کرایاجاتاہے اور خود اعتمادی، استقلال، رواداری، وغیرہ الفاظ کے

پردے میں تکبر، خود پسندی وغیرہ کو قابل تعریف خلق وعادت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

ظاہری اعمال کے میدان میں فتنے

ظاہری اعضاء وجوارح سے انجام دینے والے اعمال وافعال کے بارے میں بھی یہ ساری غلطیاں دہرائی جاتی ہیں، بہت سے امور باوجودیکہ گناہ ہیں، لیکن ان کو گناہ ہی تصور نہیں کیا جاتا، ایک گناہ کا جب اجتماعی طور پر رواج ہونے لگے تو ایک عرصہ بعد نئی نسل کے لئے اس کو گناہ اور قابل نفرت سمجھنا ہی مشکل ہو جاتا ہے، یوں رفتہ رفتہ ناجائز وحرام چیز بھی عام ذہنوں کے مطابق گناہوں کی فہرست سے نکل جاتی ہے، اس وقت ایسی بیسیوں گناہ ہیں جن کو عام معاشرہ میں گناہ تصور ہی نہیں کیا جاتا، مثال کے طور پر:

ا: داڑھی منڈوانا

۲: غیر محرم عورت کے ساتھ بلاضرورت بات چیت کرنا، دیکھنا، موبائل وغیرہ کے ذریعہ رابطہ کرنا، فیس بک وغیرہ پر اجنبی خواتین کی تصویر دیکھنا، وغیرہ۔

۳: ناجائز ساز سننا، سنانا

۴: جاندار چیزوں کی تصویر کھینچنا، کھینچوانا

۵: پائینچوں کو گھٹنوں سے نیچے لٹکانا

۶: کسی مسلمان کی کمزوری بیان کرنا، سننا، عیب جوئی یا عیب گوئی کرنا

۷: واقع کے خلاف باتیں کرنا

۸: بات کو ٹالنے کے لئے وعدے کرنا

۹: دینی واجبات وعبادات کی بروقت ادائیگی میں خرید وفروخت وغیرہ امور کی وجہ سے خلل لانا

۱۰: شادی بیاہ وغیرہ موقع پر انجام دئے جانے والے متعدد رسوم ورواج

۱۱: متعدد بدعات جو عام رائج ہوتے ہیں اور نکیر کرنے والے ان پر نکیر نہیں کرتے

۱۲: دنیوی مقاصد یا غیر دینی مقاصد کے لئے دینی امور اور عبادات کا انجام دینا

معاشرتی زندگی میں فتنوں کی بہتات

معاشرہ افراد کے باہمی اجتماع سے وجود میں آتا ہے، جب شخصی زندگی فتنوں کا شکار ہو کر برباد ہو گئی تو ایسے افراد سے تشکیل پانے والا معاشرہ بھی انہی فتنوں کی عکاسی کرے گا، لہٰذا شخصی زندگی میں جو فتنے پائے جاتے ہیں وہ معاشرتی اور خاندانی زندگی میں بھی پائے جاتے ہیں، بلکہ معاشرتی زندگی میں چونکہ مختلف افراد کا آپس میں مختلف قسم کا ربط و تعلق ہوتا ہے جس کی وجہ سے مزید پیچیدگیاں بڑھتی ہیں، ساتھ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ شریعت کے بعض احکام کا تعلق ہی معاشرتی زندگی کے ساتھ ہے، چنانچہ حقوق العباد اور اس کے مختلف ابواب کا موضوع شخصی زندگی نہیں ہے بلکہ اس کا اصل میدان ہی یہی معاشرتی زندگی ہے لیکن افراد کی دینی تربیت اور خالص مذہبی ذہن ومزاج نہ ہونے کی وجہ سے یہ احکام بھی اسی فہرست میں داخل ہیں جن کو معاشرے کی اکثریت نے طاقِ نسیان میں ڈال رکھا ہے۔

ملکی زندگی میں فتنوں کی اجمالی صورتیں

ملکی زندگی انسانی زندگی کا تیسرا مرحلہ ہے، پہلے تہذیب اخلاق کا مرحلہ آتا ہے، اس سے اجتماعی زندگی اور معاشرہ وجود میں آتا ہے اور پھر وہی معاشرہ ترقی کرکے ملکی زندگی تک پہنچتا ہے، گویا ملکی زندگی باقی دو مرحلوں کے بعد وجود میں آتی ہے، اس لئے ان دو مرحلوں میں جو کوتاہیاں اور کمزوریاں یا فتنے پائے جاتے ہیں، ان کا

اثر یہاں ضرور محسوس ہو گا، پھر ملکی زندگی کے اپنے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں، کوئی حاکم بنتا ہے کوئی محکوم، شریعت نے دونوں کے کچھ حقوق اور کچھ فرائض وذمہ داریاں مقرر فرمائی ہیں، اکثر افراد کے صحیح معنی مین دین دار نہ ہونے کی وجہ سے عمومی فضاء یہ بن چکی ہے کہ دونوں فریق اپنی ذمہ داریاں درست طریقے سے انجام نہیں دیتے بلکہ اس میں طرح طرح کی بدعنوانیاں کرتے رہتے ہیں جبکہ اپنے حقوق کے طلب کرنے میں ہر فریق اس حد تک چست وچالاک نظر آتا ہے جس کے سامنے شریعت کے حدود کی پابندی کرنا کوئی قابل التفات کام ہی نہیں ہے۔

ان کوتاہیوں کی وجہ سے ماحول کے تکدّر کا اب یہ حال بن چکا ہے کہ دونوں فریق کے لئے اکیلے طور پر دینی تعلیمات پر استقامت کے ساتھ رہنا مشکل ہو چکا ہے، محکوم اگر مکمل دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا چاہے تو حاکم فریق کی جانب سے اس کے ساتھ ایسی ایسی زیادتیاں ہوتی ہیں جن کے سامنے وہ بسا اوقات صبر نہیں کرپاتا بلکہ وہ بھی جواب میں حق تلفی پر آمادہ ہو جاتا ہے اور حاکم اگر پورے دینی ہدایات کے مطابق نظام حکومت چلانا چاہے تو محکوم کی جانب سے اس کے لئے ایسی مشکلات کھڑی کردی جاتی ہیں جن کو شرافت کے ساتھ عبور کرنا مشکل ہو جاتا ہے، یہی فتنہ کا حاصل ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب سوم:
فتنوں سے بچاؤ کا حفاظتی نصاب

تمہید واہمیت

پچھلے صفحات میں فتنوں کا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی گئی، اور یہ بھی واضح ہوا کہ فتنوں کی وجہ سے ایک مسلمان کو دینی اور دنیوی لحاظ سے کیا کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے؟ اس تناظر میں فکر آخرت کے حسین جذبے سے سرشاروشادمان شخص کے دل ودماغ میں ضرور یہ سوال ابھرتا ہے کہ جب فتنوں کی وجہ سے اس قدر عظیم نقصانات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اور یہ دور بھی بلاشبہ عظیم فتنوں کا دور ہے تو آخر ان فتنوں سے بچنے کا راستہ کیا ہو گا؟ ایک مسلمان کیونکر ان فتنوں سے بچا جاسکتا ہے؟ یہاں نصوص کی روشنی میں اسی بات کو ذکر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور درحقیقت اس کتابچہ کا مغز یہی باب ہے۔

فتنوں سے بچاؤ کا حفاظتی نصاب

احادیث مبارکہ میں جس طرح غیر معمولی اہمیت کے ساتھ مختلف فتنوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، یوں ہی اس سے بچنے کے اسباب وسائل بھی ذکر فرمائے گئے ہیں، متعدد روایات میں آپ ﷺ نے از خود کچھ اسباب ذکر فرمائے ہیں اور بعض جگہ حضرات صحابہ کرام نے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو ان کے سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے کچھ وسائل ذکر فرمائے ہیں۔ یوں تو اس موضوع کے متعلق دسیوں روایات ہیں اور ان میں متعدد اسباب ذکر فرمائے گئے ہیں، اس ناکارہ نے اپنی کمزور بساط کے مطابق ایسی روایات کو جمع کر کے ایسے تمام اسباب اوروسائل کو انضباط وجامعیت کے

ساتھ اس جذبے سے جمع کیا کہ ان کو یاد کرنا اور پھر ان کے مطابق اپنی زندگی گزارنا آسان رہے۔

ایسے کل سات ذرائع ہیں جن کو اختیار کرکے اپنے آپ کو فتنوں سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے، یہاں اس کی بقدر ضرورت تفصیل ذکر کی جارہی ہے۔

پہلا ذریعہ: دعاء و تعوّذ مانگنا

فتنوں سے بچنے کا پہلا بنیادی اور اہم ذریعہ دعاء کرنا اور خدا تعالیٰ کی پناہ مانگنا ہے، دعاء کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک تو تشہد کے بعد کی دعاء میں فتنوں سے حفاظت کی دعاء بھی شامل کی جائے اور توجہ کے ساتھ اس کو مانگا جائے، صرف زبان سے اس کا ورد کرنا کافی نہیں ہے چنانچہ روایات میں یہ مضمون صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ غافل دل کی دعاء قبول نہیں ہوتی، لہٰذا ایک تو توجّہ کے ساتھ تشہد میں دعاء کی جائے، دوسرا یہ ہے کہ اس کے علاوہ اوقات میں بھی خوب توجہ اور تضرّع کے ساتھ دعاء مانگی جائے۔

احادیث مبارکہ میں ایسی مختلف دعائیں وارد ہوئی ہیں، حالانکہ آپ ﷺ معصوم تھے، فتنے آپ پر اثر انداز نہ ہوسکتے تھے، اس سے امت کو یہ سبق ملتا ہے کہ فتنوں سے حفاظت میں دعاء کا خاص کردار ہے، "مسند احمد" میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ ہر نماز کے بعد درج ذیل چار دعائیں مانگتے تھے / درج ذیل چار چیزوں سے پناہ مانگتے تھے:

" اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ، اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الفِتَنِ، مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْأَعْوَرِ الْكَذَّابِ "[1]

ترجمہ: "اے اللہ! ہم تجھ سے عذاب قبر سے پناہ مانگتے ہیں، اے اللہ! ہم تجھ سے جہنم کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں، اے اللہ! ہم تجھ سے ہر قسم کے ظاہری اور باطنی فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں، اے اللہ! ہم تجھ سے کانے جھوٹے کے فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں"

"صحیح مسلم" میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے امت کو تمام ظاہری و باطنی فتنوں سے عموماً اور دجّال کے فتنے سے خاص طور پر پناہ مانگنے کا حکم دیا، جس پر حضرات صحابہ کرام نے فوراً لبّیک کہا، وہ روایت یہ ہے:

«تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ، مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ» قَالُوا: نَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، قَالَ: «تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ» قَالُوا: نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ[2]

ترجمہ: "تم ہر قسم کے ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ کرام نے عرض کیا: ہم ہر قسم کے ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں، تم اللہ کی پناہ مانگو دجال کے فتنہ سے صحابہ کرام نے فرمایا کہ ہم دجال کے فتنہ سے پناہ مانگتے ہیں"

---

[1] مسند أحمد،ومن مسند بني هاشم، مسند عبد الله بن العباس بن عبد المطلب عن النبي صلى الله عليه وسلم، ج٤،ص٤٩٦.

[2] صحيح مسلم،باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه، وإثبات عذاب القبر والتعوذ منه، ج٤،ص٢١٩٩.

دوسرا وسیلہ: فتنوں کا علم حاصل کرنا

فتنوں سے بچنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ فتنوں کے متعلق کم از کم موٹی موٹی باتیں معلوم ہوں، احادیث مبارکہ میں جس قدر اہتمام کے ساتھ فتنوں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے، متعدد اسالیب کے ساتھ اس کی اہمیت دل میں اتارنے کی کوشش فرمائی گئی ہے، اگر یہ باتیں معلوم اور مستحضر ہوں تو فتنوں سے بچنا بھی کچھ زیادہ مشکل نہیں رہتا، اس کے بجائے اگر کوئی شخص بالکل ہی اس موضوع سے غافل ولاپرواہ ہو تو دل میں اس کی اہمیت پیدا نہیں ہوگی اور دلی اہمیت کے بغیر عملی اقدام کرنا، مشکلات کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں رہتا۔

فتنوں سے متعلق بیسیوں روایات وارد ہوئی ہیں، حضرات صحابہ کرام کی عملی زندگی میں بھی اس کا خوب اہتمام ملتا ہے، مثال کے طور پر "سنن ابن ماجہ" میں ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت کے دن "تہامہ" کے پہاڑوں جتنی نیکیاں لے کر حاضر ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان کی یہ سب نیکیاں بے کار کردے گا" حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حاضر تھے، اس نے عرض کیا کہ:

يَا رَسُولَ اللّٰہِ صِفْهُمْ لَنَا، جَلِّهِمْ لَنَا أَنْ لَا نَكُونَ مِنْهُمْ، وَنَحْنُ لَا نَعْلَمُ،[1]

ترجمہ: "یارسول اللہ ان لوگوں کا حال ہم سے بیان کر دیجئے اور کھول کر بیان فرمائیے تاکہ ہم لاعلمی سے ان لوگوں میں نہ ہو جائیں۔"

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر الذنوب، ج٢، ص١٤١٨.

اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُمْ إِخْوَانُكُمْ، وَمِنْ جِلْدَتِكُمْ، وَيَأْخُذُونَ مِنَ اللَّيْلِ كَمَا تَأْخُذُونَ، وَلَكِنَّهُمْ أَقْوَامٌ إِذَا خَلَوْا بِمَحَارِمِ اللهِ انْتَهَكُوهَا»

ترجمہ: "تم جان لو کہ وہ لوگ تمہارے بھائیوں میں سے ہیں اور تمہاری قوم میں سے اور رات کو اسی طرح عبادت کریں گے جیسے تم عبادت کرتے ہو لیکن وہ لوگ یہ کریں گے کہ جب اکیلے ہوں گے تو حرام کاموں کا ارتکاب کریں گے"

حضرت ثوبان کے اس مختصر اور سادہ جملہ سے فتنوں کی باتیں جاننے کی غیر معمولی اہمیت واضح ہو جاتی ہے، پھر حضور ﷺ نے جواب عنایت فرما کر اس فکر کی ایک گونا تائید فرمائی۔

ان جیسی روایات اور سلف کا تعامل خود اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اس موضوع کا جاننا اور اس کے متعلق ضروری باتیں معلوم کرنا دینی لحاظ سے خاصی اہمیت کا حامل ہے۔

علم دین ہو تو فتنہ مضر نہیں

"مصنّف ابن ابی شیبہ" میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے ملے جبکہ وہ "جوخا" مقام پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر مقرر ہوئے تھے، حضرت ابو مسعود نے ان سے ایک خاص واقعہ کے متعلق دریافت فرمایا کہ یہ فتنہ تو نہیں ہے؟ جواب میں حضرت حذیفہ نے کہا کہ:

«أَمَا تَعْرِفُ دِينَكَ يَا أَبَا مَسْعُودٍ»

ترجمہ: اے ابو مسعود! آپ اپنے دین کو نہیں جانتے؟

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے اثبات میں جواب دیا، تو حضرت حذیفہ نے ارشاد فرمایا:

«فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّكَ الْفِتْنَةُ مَا عَرَفْتَ دِينَكَ إِنَّمَا الْفِتْنَةُ إِذَا اشْتَبَهَ عَلَيْكَ الْحَقُّ وَالْبَاطِلُ فَلَمْ تَدْرِ أَيَّهُمَا تَتَّبِعُ فَتِلْكَ الْفِتْنَةُ»[1]

ترجمہ: "پس آپ نے جو اپنے دین کو پہچان لیا ہے تو یہ فتنے آپ کو نقصان نہیں پہنچاسکتے، بے شک فتنہ تو وہ ہوتا ہے کہ جب آپ پر حق اور باطل خلط ملط ہو جائیں اور آپ کو یہ معلوم نہ ہو کس کی اتباع کروں، تو یہ فتنہ ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ جب فتنوں اور ان سے متعلق امور کے بارے میں شرعی تعلیمات کا علم ہو تو فتنہ ضرر نہیں پہنچاتا۔ تاہم یاد رہے کہ علم سے صرف معلومات پہچاننا مراد نہیں ہے بلکہ سلف صالحین کے ہاں دینی معلومات رکھنے کے ساتھ ساتھ علم کے تقاضوں پر عمل کرنے اور دل میں خشیت الٰہی رکھنے والے کو عالم کہا جاتا تھا، ایسے افراد کا یہ حال ہوتا تھا کہ جس بات کو شریعت کا حکم سمجھتے تھے تو ضرور اس پر عمل کرتے تھے، ان کی زبان اور عمل میں فاصلے نہ ہوتے تھے، لہٰذا اگر کوئی اس معنی میں عالم دین ہے اور وہ فتنوں سے متعلق شرعی ہدایات کو اچھی طرح جانتا ہے تو بلاشبہ ایسا شخص محفوظ رہے گا۔

تیسرا وسیلہ: فتنوں کی جگہ سے دور رہنا

کوئی شخص اگر چاہتا ہے کہ فتنوں سے اپنے دامن کو مکمل طور پر محفوظ رکھے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ "مواقع فتن" کے قریب نہ جائے، بلکہ بعض اوقات قریب نہ جانا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ دور دور رہنا بھی ضروری ہو جاتا ہے، بہت سے فتنوں

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الفتن، ج٧، ص٤٦٨.

کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے قریب کے لوگوں کو جذب کرکے شکار کرلیتی ہیں، دوسری طرف تجسس وجستجو کا مادہ انسان کے خمیر میں پایاجاتاہے، وہ چاہتا ہے کہ ٹٹول ٹٹول کر کوئی نئی بات معلوم دریافت کرلے، خاص کر جس کام سے اس کو روکا جائے، چنانچہ کسی داناکا قول مشہور ہے کہ: "الإنسان حريص فيما مُنع." لہذا فتنوں کے مواقع میں رہتے ہوئے ان سے بچنا یقینی نہیں ہے۔

فتنوں سے بچنے کے لئے اس بات کو اختیار کرنے کا سبق ایک سے زیادہ احادیث میں دیا گیاہے، مثال کے طور پر "سنن ابی داؤد" کی روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي»، قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: «كُونُوا أَحْلَاسَ بُيُوتِكُمْ»[1]

ترجمہ:"تمہارے سامنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے نمودار ہوں گے آدمی ان میں صبح کو مسلمان ہوگا اور شام کو کافر، شام کو مسلمان ہوگا اور صبح کو کافر، بیٹھنے والا شخص اس میں کھڑے شخص سے بہتر ہوگا اور کھڑا شخص چلنے والے سے بہتر اور چلنے والا شخص اس میں کوشش کرنے والے سے بہتر ہوگا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ: آپ ہمیں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ: اپنے گھروں کے ٹاٹ کی طرح ہوجاؤ"

---

[1] سنن أبي داود، كتاب الفتن والملاحم، باب في النهي عن السعي في الفتنة، ج٤، ص١٠١.

اس روایت میں پہلے تو فتنوں کی ہولناکی بیان فرمائی گئی ہے،اس کے بعد بیٹھنے والے کو کھڑے ہونے والے شخص سے، کھڑے شخص کو چلنے والے اور اس کو بھاگ کر چلنے والے سے بہتر قرار دیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص فتنے سے جس قدر دور ہو، اتنا ہی بہتر ہے، پھر حضرات صحابہ کرام کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے جو جواب عنایت فرمایا، وہ تو اس بات میں بالکل صریح ہے کہ ان فتنوں سے محفوظ رہنے کے لئے ان سے دور رہنا ضروری ہے۔

"مسند احمد" کی روایت ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" أَوْصَانِي خَلِيلِي أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنْ أَدْرَكْتَ شَيْئًا مِنْ هَذِهِ الْفِتَنِ، فَاعْمَدْ إِلَى أُحُدٍ، فَاكْسِرْ بِهِ حَدَّ سَيْفِكَ، ثُمَّ اقْعُدْ فِي بَيْتِكَ "[1]

ترجمہ:"حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ: مجھے میرے پیارے اور سچے دوست حضرت ابو القاسم ﷺ نے وصیت کی کہ اگر ان فتنوں میں سے کوئی فتنہ آپ پالے تو احد کی طرف چلے جاؤ، اس کے ذریعے اپنی تلوار کی دھار کو توڑ ڈالو، اور اپنے گھر میں بیٹھ جاؤ"

گھر میں بیٹھنے کے حکم کی بنیاد یہی ہے کہ اس کے ساتھ فتنوں سے دوری ہو جاتی ہے۔

"مسند احمد" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

" وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ أَمْرٍ قَدِ اقْتَرَبَ، أَفْلَحَ مَنْ كَفَّ يَدَهُ "[1]

---

[1] مسند أحمد،مسند الشاميين،حديث محمد بن مسلمة الأنصاري،ج٢٩،ص٥٠٢.

ترجمہ: "عربوں کے لئے ہلاکت ہو اس فتنہ سے جو قریب آچکا ہے اس میں جس نے اپنے ہاتھ روک لیا وہی کامیاب ہو گیا"

فتنے سے ہاتھ روکنے کا مطلب اس میں شامل نہ ہونا ہے جو دور ہونے کی ہی ایک شکل ہے۔

"سنن ابی داوٗد" میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ سَمِعَ بِالدَّجَّالِ فَلْيَنْأَ عَنْهُ، فَوَاللهِ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَأْتِيهِ وَهُوَ يَحْسِبُ أَنَّهُ مُؤْمِنٌ فَيَتَّبِعُهُ، مِمَّا يَبْعَثُ بِهِ مِنَ الشُّبُهَاتِ»[2]

ترجمہ: "جو شخص بھی دجال کی آواز سنے تو اسے چاہیے اس سے دور ہو جائے تو اللہ کی قسم بیشک ایک آدمی اس کے (دجال کے) پاس آئے گا اور وہ یہ گمان کرے گا کہ وہ مومن ہے تو اس کی اتباع کرے گا اس وجہ سے کہ اس کے پاس شبہات پھیلانے والی چیزیں ہوں گی"

یہاں دجال کے قریب جانے سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ اس کی وجہ بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ قریب جانے کی صورت میں مفتون ہونے کا اندیشہ ہے، معلوم ہوا کہ فتنہ کی جگہوں سے دور دور ہی رہنا چاہئے جہاں اس میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔

"سنن ابی داوٗد" میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] مسند أحمد،مسند المكثرين من الصحابة،مسند أبي هريرة رضي الله عنه،ج١٥،ص٤٣٢.

[2] سنن أبي داود،كتاب الملاحم،باب خروج الدجال،ج٤،ص١١٦.

«يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ، يَتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ، وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ، يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ»[1]

ترجمہ: "قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کے پیچھے وہ پہاڑوں کی بلندیوں اور بارش برسنے کی جگہوں پر جائے گا اپنے دین کو لے کر فتنوں سے بھاگے گا"

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اپنی دینی حیثیت اور دین داری کی حفاظت کرنا ایک مسلمان کے کرنے کا بنیادی کام ہے، اس کے لئے اگر تمام تر معاشرہ سے ہٹ کٹ کر پہاڑوں کی چوٹیوں میں پناہ لینا پڑے اور بالکل الگ تھلگ زندگی اختیار کرنے کی ضرورت پڑے تو ایک مسلمان کے لئے اسی راہ کو اختیار کرنا چاہئے۔

مواقع فتن سے دوری کا مطلب

فتنے کے مواقع سے بچنے کی جب بات کی جاتی ہے تو عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شاید فتنہ واقع ہونے کی کوئی حسی جگہ ہو گی جہاں داخل ہونے پر انسان فتنے کا شکار ہو جائے گا اور ایسی ہی جگہ سے دور رہنا ضروری ہے۔ یاد رہے کہ صرف حسی جگہ ہی مقصود نہیں ہے بلکہ کوئی بھی ایسا کام کرنا مراد ہے جو فتنہ تک پہنچانے والا ہو، لہذا کسی میدان میں فتنہ کا اندیشہ ہو، یا کسی خاص ماحول / علاقے / ملک میں داخل ہونے کی صورت میں اس کا خوف ہو، کسی خاص فرد / ادارے وغیرہ کے ساتھ ربط و تعلق رکھنے یا کسی خاص عہدہ کو اختیار کرنے میں اس بات کا خدشہ ہو تو ان تمام کاموں سے بچتے رہنا چاہئے۔

---

[1] سنن أبي داود، كتاب الملاحم، باب خروج الدجال، ج٤، ص١٠٣.

دورِ حاضر کے کچھ اہم مواقعِ فتن

یہ دور چونکہ بہت ہی پُر فتن ہے، اس لئے جب فتنے زیادہ ہو رہے ہیں تو ساتھ اس کے مواقع بھی بڑھ رہے ہیں، بلکہ یہ کہنا بھی شاید کچھ زیادہ بے جا نہ ہو کہ ہر اہم موقع کے اپنے فتنے ہیں جو غافل لوگوں یا ایمانی کمزوری والے افراد کو کسی نہ کسی درجے میں ضرور لپیٹ میں لیتے ہیں، اس لئے یوں تو ہر جگہ پھونک پھونک کر قدم اٹھالینا چاہئے تاکہ کہیں کنویں کو ہموار زمین سمجھ کر اس پر پاؤں نہ رکھا جائے، تاہم یہاں چند اہم جگہیں ذکر کی جاتی ہیں جہاں یا تو فتنوں کی بہتات ہے اور دینی تعلیمات پر استقامت کے ساتھ کاربند رہنا خاصا مشکل کام بن چکا ہے اور یا مواقع فتن ہونے کے باوجود اس کی طرف عام طور پر التفات نہیں کیا جاتا۔ وہ جگہیں درج ذیل ہیں:

پہلا موقع: بے پردگی کی جگہ جانا

پردہ کا اسلامی فریضہ اس وقت بہت ہی کمیاب ہے، بہت سے تھوڑے خوش نصیب افراد ہیں جو اس حکم پر پابندی کے ساتھ عمل کر رہے ہیں ورنہ عمومی فضاء اب یہ ہے کہ اس اہم اور بنیادی حکم کو نظریاتی طور پر کوئی اہمیت دی جارہی ہے اور نہ ہی عملی طور پر اس کو زندہ کرنے کے لئے کچھ سنجیدہ اہتمام کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ اور بہت ہی بگاڑ پیدا ہو چکا ہے جو مزید بڑھ رہا ہے۔ لہٰذا جس ماحول / علاقے / ملک میں بے پردگی کا ماحول ہو، وہاں بلاضرورت جانے سے قطعی گریز کر لیا جائے، ورنہ جانے کے بعد فتنہ کے شکار ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ مغربی ممالک اور دبی وغیرہ میں یہ ماحول بہت زیادہ ہے۔

دوسرا موقع: مختلف عہدے اختیار کرنا

سرکاری اور غیر سرکاری مختلف ایسے عہدے ہیں جن کو اختیار کرنے کی صورت میں متعدد فتنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کہیں اوپر بااختیار لوگوں کی جانب سے متعدد فتنوں اور منکرات پر مجبور کیاجاتا ہے، کبھی ماتحتوں کی خوشنودی حاصل کرنی ہوتی ہے اوراس کے لئے کچھ ناجائز اقدامات کرنے پڑتے ہیں، بعض اوقات عہدے اور منصب کی وجہ سے اختیار حاصل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے نفس از خود ہی کچھ ناجائز کام کرنے پر اکساتا ہے جبکہ بعض اوقات تو خود منصب ہی کسی ناجائز کام کا ہوتا ہے، بہر حال کوئی بھی عہدہ یا منصب حاصل کرنا ہے تو یہ احتیاط ضروری ہے کہ اس کے نتیجے میں کسی ناجائز کام کا ارتکاب کرکے فتنہ کا شکار نہ ہو جایا جائے۔

تیسرا موقع: مخلوط تعلیم یا نوکری کرنا

مغربی تہذیب کے غلبہ کی وجہ سے مسلمانوں کے ملکوں میں بھی مخلوط نظام تعلیم جاری ہے جہاں نامحرم لڑکے اور لڑکیاں ایک ہی جگہ رہ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں،اسی طرح مختلف قسم کی نوکریوں میں بھی مخلوط نظامِ کار کا رواج بڑھ رہاہے، شرعی نقطہ نظر سے پردہ کرنا فرض ہے جس کا ایسے ماحول میں التزام کرنا بہت مشکل ہے،عام افراد سے اس کی توقع رکھنا بالکل بے جا ہے، ہر شخص کی ایمانی غیرت اور دینی حمیت اس قدر نہیں ہوتی کہ تمام اسباب کے موجود ہوتے بھی اس کو خواہشات سے روکے رکھے،اب تو سو میں سے کوئی ایک بھی ایسا شخص ملے تو غنیمت ہے،اس لئے ایسے ماحول میں جانے سے احتراز کرنا ضروری ہے، سب کچھ جاننے کے باوجود بھی ایسے ماحول میں کود پڑنا خود کو طرح طرح کے فتنوں میں جھونک دینے کے مترادف ہے جو ظاہر ہے کہ بڑی ہی جسارت اور بہت ہی خسارے کا باعث ہے۔

چوتھا موقع: انٹرنیٹ، فیس بک وغیر استعمال کرنا

انٹرنیٹ اور فیس بک کو اگرچہ فی نفسہ جائز اور مفید میں استعمال کیا جاسکتا ہے اور کسی حد تک استعمال ہو بھی رہا ہے لیکن فتنوں کی کثرت اور دینی ماحول ومزاج کے ختم ہونے کی وجہ سے اب یہ چیزیں بھی گناہوں کا پلندہ بن چکی ہیں، فیس بک استعمال کرتے ہوئے یہ بڑا ہی مشکل ہے کہ آنکھیں محفوظ رہے۔یادرہے کہ آنکھوں کی گناہ صرف یہی نہیں ہے کہ غیر محرم کی تصویر دیکھ لے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کسی مسلمان کی ہتک عزت دیکھنا، پڑھنا، گمراہی تک لے جانے والے قصے کہانیاں اور ناول پڑھنا بھی فتنے ہی ہیں۔اس لئے فتنوں کے ان مواقع سے حتی الامکان اپنے آپ کو دور رکھنا ضروری ہے ورنہ فتنے میں ملوث ہونے سے نجات پانا مشکل ہے۔

پانچواں موقع: بے دین لوگوں کی صحبت وتعلق

مشہور کہاوت ہے کہ "خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے" یہ بات خربوزے کی حد تک درست ہو یا نہ، انسان کے بارے میں بالکل درست ہے، ایک انسان دوسرے انسان کو دیکھ اور اس کی عادات واطوار کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے، نیک اور دین دار لوگوں کی صحبت میں رہنا اور ان کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے سے نیکی کے جذبات وعادات پیدا ہوتے ہیں جبکہ برے اور بے دین لوگوں کی معیت میں رہنا اور ان سے دوستی رکھنے سے گناہوں اور بے دینی کے جراثیم جنم لیتے ہیں، بے دین لوگوں کے ساتھ تعلقات رکھنا، ان کی صحبت میں رہنا بھی "مواقع فتن" میں سے ایک اہم موقع ہے جس سے بچنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔

البتہ یہ بات بھی واضح رہے کہ صحبت صرف یہی نہیں ہے کہ ان کے ساتھ مجلس میں بیٹھا جائے بلکہ اعتماد ومحبت کا کوئی بھی ربط وتعلق رکھنا اس میں داخل ہے، لہٰذا

ایسے لوگوں کی تحریرات پڑھنا، بیان سننا، ان کے ساتھ میل جول رکھنا، ان کے کاموں میں شمولیت اختیار کرنا وغیرہ سب اس میں داخل ہیں، اور کوئی شخص اگر چاہتاہے کہ اپنے دامن کو فتنوں میں آلودہ ہونے سے بچابچا کر لے جائے تو ضروری ہے کہ اس نوعیت کے تمام تعلقات سے اپنے آپ کو الگ تھلگ کرلے خواہ دلی جبر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔

چوتھاذریعہ: قرآن وسنت سے مضبوط وابستگی

متعدد نصوص سے واضح ہوجاتاہے کہ قرآن وسنت کی تعلیمات کے ساتھ مضبوط وابستگی اور پختگی کے ساتھ ان پر عمل کرتے رہنا بھی فتنوں سے بچنے کا اہم ذریعہ ہے، جو شخص ان تعلیمات کی اچھی طرح پابندگی کرتاہے اور انہی کی روشنی میں اپنا سفر زندگی جاری رکھتاہے وہ فتنوں سے محفوظ رہتاہے، یہ پابندی اس کے لئے فتنوں سے حفاظتی حصار کا کردار اداکرتی ہے۔

"سنن ترمذی" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

أَلاَ إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ. فَقُلْتُ: مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: كِتَابُ اللهِ فِيهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ، وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ،[١]

ترجمہ: "عنقریب ایک فتنہ آنے والاہے۔ میں نے عرض کیا اس سے بچنے کا کیاراستہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی کتاب قرآن کریم میں تم سے پچھلوں کے متعلق

---

[١] سنن الترمذي،أبواب فضائل القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم،باب ما جاء في فضل القرآن،ج٥،ص٢٢.

بھی تذکرہ ہے اور تمہارے بعد کا بھی نیز اس میں تمہارے درمیان ہونے والے معاملات کا حکم ہے"

اس روایت پر اسنادی لحاظ سے گو کلام کیا گیا ہے اور بعض محدثین کرام نے اس کو ضعیف بھی قرار دیا ہے، تاہم یہ مضمون متعدد صحیح روایات سے ثابت ہے، چنانچہ "موطّا" میں مرفوع روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ».[١]

ترجمہ:"میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ دی تم اگر اس کو مضبوطی سے پکڑے تو کبھی گمراہ نہ ہوں گے، ایک کتاب اللہ اور دوسرا سنت رسول"

" صحیح مسلم" میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے جس میں آپ ﷺ کے حج (حجۃ الوداع) کی تفصیلات درج ہیں، اسی کا ایک حصہ ہے کہ آپ ﷺ نے دورانِ خطبہ ارشاد فرمایا:

قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ، كِتَابُ اللهِ،[٢]

ترجمہ:"میں نے تمہیں ایسی چیز چھوڑ دی ہے تم اگر اس کو مضبوطی سے پکڑے تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہوگے، وہ کتاب اللہ ہے"

پہلی روایت میں قرآن کریم کے ساتھ ساتھ "سنت رسول ﷺ" کا بھی ذکر ہے اور اس دوسری روایت میں صرف قرآن کریم کا ذکر ہے، دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، حدیث کا شرعی دلیل ہونا چونکہ قرآن ہی سے ثابت ہے اور خود قرآن کریم

---

[١] موطأ مالك ت الأعظمي، كتاب القدر، النهي عن القول بالقدر، ج٥، ص١٣٢٣.

[٢] صحيح مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم، ج٢، ص٨٩٠.

نے آپ ﷺ کے اتباع کرنے اور آپ ﷺ کی باتوں کو لینے اوران پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے جہاں صرف قرآن کا ذکر کیا گیا ہے اس کے ضمن میں بھی سنت رسول ﷺ داخل ہے۔

خیر، ان نصوص سے واضح ہو جاتا ہے کہ جو شخص قرآن وحدیث کی تعلیمات کی اچھی طرح پابندی کرتا ہے، وہ گمراہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی گمراہ کن فتنوں کا شکار ہو سکتا ہے۔ یہ مضمون خود قرآن کریم سے بھی معلوم ہوتا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ}[1]

ترجمہ: "مومنو! اگر تم خدا سے ڈروگے تو وہ تمہارے لئے امر فارق پیدا کر دے گا (یعنی حق وباطل میں تمیز کرنے کی استعداد پیدا کرے گا) اور تمہارے گناہ مٹادیگا اور تمہیں بخش دے گا۔ اور خدا بڑے فضل والا ہے"

اس آیت مبارکہ سے واضح ہوا کہ تقوی اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مختلف عنایات ملتی ہیں، ان میں سے ایک اہم چیز یہ بھی ہے کہ ایسے شخص کو "فرقان" دیا جاتا ہے اور اس "فرقان" کی تفسیر بعض مفسرین نے یہی بیان فرمائی ہے کہ وہ حق وباطل اور جائز وناجائز میں فرق و تمیز کر سکتا ہے، اس میں حلال وحرام کے درمیان التباس طاری نہیں ہوتا، بلکہ بصیرت کی آنکھوں سے دونوں میں فرق کر سکتا ہے جبکہ فتنے میں پڑنے کا غالب سبب یہی التباس ہے۔

---

[1] سورة الأنفال، آية ٢٩.

پانچواں ذریعہ: صبر سے کام لینا

فتنوں سے حفاظت کے لئے جو کام ضروری ہے، ان میں "صبر" کو بڑی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے، کوئی شخص خواہ کتنے ہی اچھے صفات کا عادی ہو لیکن صبر کی صفت سے محروم ہو تو وہ کہیں نہ کہیں جاکر فتنہ کا شکار ہو کر ہی جاتا ہے، اس لئے فتنوں کی یلغار میں بہنے سے بچاؤ کے لئے اپنے اندر صبر کی صفت پیدا کرنا اور پھر اس کو مستحکم کرنا ضروری ہے۔

غلط فہمی کا ایک تجربہ

اس ناکارہ کا تجربہ ہے کہ بہت سے نیک نیت اور نیک عمل افراد بے صبری یا کم صبری کی وجہ سے فتنوں کی سیلِ رواں میں بہہ جاتے ہیں، ان کی عملی زندگی قابل رشک ہوتی ہے لیکن صبر کے فقدان یا کمی ہی کا نتیجہ تھا کہ جب فتنوں کی بارش شروع ہوئی تو وہ اس کی ضد میں آگئے اور مفتون ہو جانے کے بعد ان کی زندگی کا کایا ہی پلٹ گیا، اس لئے فتنوں سے حفاظت کے لئے صبر کا اہتمام کرنا بڑا ضروری ہے۔

یوں تو اس موقع پر "صبر" کرنے کی دسیوں جزوی صورتیں ہو سکتی ہیں لیکن اجمالی طور پر اس قدر بات کافی ہے کہ "دینی مفاد کے لئے ہر قسم کے دنیوی مفاد کی قربانی دینے کا مزاج پیدا کیا جائے"، کسی بات کو مزاج کا حصہ بنانے کے لئے بار بار اس کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے گو تکلّف اور دلی جبر و مخالفت کے ساتھ ہی ہو۔

متعدد نصوص سے بھی یہ مفہوم واضح ہو جاتا ہے، چنانچہ "مستدرک حاکم" میں ہے:

كان عمار بن ياسر وأبوه وأمه أهل بيت إسلام، وكان بنو مخزوم يعذبونهم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «صبرا يا آل ياسر، فإن موعدكم الجنة»[1]

ترجمہ: "عمار بن یاسر اور اس کے والدین اہل اسلام میں سے تھے، اور بنو مخزوم ان

کرو، کیونکہ تمہارا ٹھکانہ جنت ہے"

آل عمار کو حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی ایک زرّیں نصیحت

"مستدرک" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ہے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم حضرت عمّار اور ان کے اہل خانہ کے پاس سے اس حال میں گزرے کہ ان کو سزا دی جارہی تھی، تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے (دیکھ کر) ارشاد فرمایا:

«أبشروا آل عمار، وآل ياسر، فإن موعدكم الجنة»[2]

ترجمہ: "اے عمار اور یاسر کے گھر والوں! تمہیں خوشخبری ہو اس لئے کہ تمہارا ٹھکانہ جنت ہے"

حضرت عمار اور ان کے والدین کریمین کفار کی طرف سے بڑے ہی فتنے میں مبتلا ہوئے تھے، اس موقع پر حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ان کے ساتھ جو معاملہ فرمایا اور اس کے نتیجے میں ان حضرات نے جس ثابت قدمی اور استقامت کے ساتھ اس مشکل گھاٹی کو سر

---

[1] المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب معرفة الصحابة رضي الله عنهم، ذكر مناقب عمار بن ياسر رضي الله عنه، ج٣، ص٤٣٢.

[2] المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب معرفة الصحابة رضي الله عنهم، ذكر مناقب عمار بن ياسر رضي الله عنه، ج٣، ص٤٣٨.

فرمایا،وہ قابلِ عبرت اور لائق سبق ہے، آپ ﷺ نے اس مختصر جملہ میں "صبر" کرنے کا بھی حکم دیا جو فتنہ میں کامیابی کی راہ کلید ہے اور ساتھ اس کا غیر معمولی بدلہ وانجام کی طرف بھی توجہ مبذول فرمائی جس سے فتنہ پر صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے، کسی بھی فتنہ سے بچاؤ کے لئے ان دو باتوں کی پابندی کی جائے تو معاملہ بہت سہل ہو جاتا ہے ،اس کا طریقہ یہ ہے کہ:

۱: عملی طور پر انسان ثابت قدم رہے اور کسی بھی قیمت پر دینی حکم کو نہ چھوڑے چاہے کتنی ہی بڑی قربانی دینی پڑے۔

۲: نظریاتی طور پر اس بات کا تصور اور بار بار استحضار کرتا رہے کہ اس صبر کے بدلے مجھے کیا ملے گا؟ تکلیف ونقصان کتنا ہے اوراس کے بدلے نعمتوں کے کیا کیا جہاں ملنے ہیں؟ اس تھوڑی سی قربانی کا ان عظیم نعمتوں سے کیا مناسبت ہے؟ فتنہ خواہ کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو، ان دو باتوں کا سنجیدگی کے ساتھ استحضار ومراقبہ کرنے سے انسان محفوظ رہتا ہے اور ساتھ ایک خاص قسم کی حلاوت نصیب ہوتی ہے۔

صبر کرنے کی چند اہم صورتیں

بہت سے لوگ صبر کی اہمیت سے تو واقف ہوتے ہیں اور چاہتے بھی ہیں کہ ان کا دامن صبر سے خالی نہ رہیں لیکن عملی طور پر وہ اس اہم حکم پر عمل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں،اس کی عمومی وجہ یہ ہوتی ہے کہ صبر کا مفہوم اور اس کے تقاضے معلوم یا مستحضر نہیں ہوتے،اس لئے درج بالا سطور میں صبر کا مفہوم ذکر کیا گیاہے اور یہاں نمونے کے طور پر اس کی کچھ موٹی موٹی صورتیں لکھی جاتی ہیں تاکہ عملی زندگی میں اس کو بروئے کار لانا مشکل نہ ہو، صبر کی بعض اہم صورتیں یہ ہیں:

۱:مال کمانے اور حاصل کرنے کی بعض صورتیں ایسی ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے ناجائز یا موجبِ فتنہ ہوتی ہیں،ایسی صورت میں صبر کرنے سے کمائی متاثر ہوسکتی ہے، بعض اوقات بالکل کچھ حاصل نہیں ہوتا جبکہ بعض صورتوں میں مطلوبہ مقدار سے کم مال حاصل ہوتا ہے۔

۲:عزت وشہرت اور لوگوں میں مقبولیت حاصل کرنے کی بعض شکلیں ایسی ہیں جو شرعی نقطہ ناجائز یا باعث فتنہ ہوتی ہیں، ایسے موقع پر صبر کرنے کی صورت میں عزت وشہرت متاثّر ہوجاتی ہیں،خواہ بالکل ہی نہ ملے یا مطلوبہ حد سے کم ملے۔

۳:عہدہ اور منصب حاصل کرنے کی بعض صورتیں ایسی ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے ناجائز یا موجبِ فتنہ ہوتی ہیں،ایسی صورت میں صبر کرنے کی تقدیر پر متعلقہ عہدے سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

۴: متنوّع سہولیات اور مراعات حاصل کرنے کی بعض صورتیں ایسی ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے ناجائز یا موجبِ فتنہ ہوتی ہیں،ایسی صورت میں صبر کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض سہولیات بالکل حاصل نہیں ہوتے یا عام معمول سے کچھ کم حاصل ہوجاتے ہیں۔

چھٹا ذریعہ: احتیاط وتثبّت سے کام لینا

احتیاط سے کام لینا کامیاب زندگی کے لئے تو ویسے بھی ضروری ہے اور عام حالات میں بھی اس کا اہتمام کرتے رہنا چاہئے لیکن فتنوں کے زمانے / ماحول میں خاص کر اس کی پابندی ضروری ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ فتنہ کا شکار ہوہی جائے گا۔ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ فتنوں کی ایک عام شکل یہ ہے کہ اچھے بُرے کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہوجاتا ہے، التباس واختلاط کی فضاء قائم ہوجاتی ہے، ایسے موقع پر احتیاط کی صورت یہ

ہے کہ اچھی طرح غور و تدبّر سے کام لیا جائے، غیر ضروری کام ہو تو چھوڑ دیا جائے، استخارہ کرنا اور تجربہ کار و مخلص افراد سے مشورہ کرنا بھی اسی احتیاط و تثبّت ہی ایک شکل ہے۔

" صحیح بخاری" میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الحَلاَلُ بَيِّنٌ، وَالحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُشْتَبِهَةٌ، فَمَنْ تَرَكَ مَا شُبِّهَ عَلَيْهِ مِنَ الإِثْمِ، كَانَ لِمَا اسْتَبَانَ أَتْرَكَ، وَمَنِ اجْتَرَأَ عَلَى مَا يَشُكُّ فِيهِ مِنَ الإِثْمِ، أَوْشَكَ أَنْ يُوَاقِعَ مَا اسْتَبَانَ، وَالمَعَاصِي حِمَى اللَّهِ مَنْ يَرْتَعْ حَوْلَ الحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ»[1]

ترجمہ: " حلال بھی واضح ہیں اور حرام بھی، اور حلال و حرام کے درمیان کچھ امور ایسے ہیں جو مشتبہ ہیں، پس جس نے وہ کام بھی چھوڑا جس کے بارے میں اس سے اشتباہ پیدا کیا گیا ہے، تو وہ شخص زیادہ چھوڑنے والا ہو گا اس گناہ کو جو اس کو واضح ہو گیا ہے، اور جو شخص جری ہو گیا اس گناہ پر جس کے بارے میں اسے شک ہے، تو قریب ہے کہ وہ مبتلاء ہو جائے اس گناہ کے اندر جو واضح ہے، اور معاصی اللہ تعالیٰ کے چراگاہ ہیں، اور جو شخص چراگاہ کے ارد گرد جانور کو چرائے تو قریب ہے کہ وہ اس میں واقع ہو جائے"

"سنن ترمذی" میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ فرمان روایت ہے کہ:

دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لاَ يَرِيبُكَ،[2]

---

[1] صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب الحلال بين، والحرام بين، وبينهما مشبهات، ج٣، ص٥٣.

[2] سنن الترمذي، باب، أبواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ج٤، ص٢٤٩.

ترجمہ:"ایسی چیز جو تمہیں شک میں مبتلا کرے اسے چھوڑ کر وہ چیز اختیار کر لو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے"

ساتواں ذریعہ: علماء صالحین پر اعتماد کرنا

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

وقال صالح المري، سمعت الحسن البصري يقول: «الدنيا كلها ظلمة إلا مجالس العلماء»[1]

ترجمہ:"صالح المریؒ فرماتے ہیں کہ: میں نے حسن بصریؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: دنیا ساری کی ساری اندھیری ہے مگر علماء کے مجالس (کہ اس میں اندھیرا نہیں)"

علامہ ابو نُعیم اصبہانی رحمہ اللہ اپنے سند کے ساتھ حضرت حسن رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

«إن الفتنة إذا أقبلت عرفها العالم، وإذا أدبرت عرفها كل جاهل»[2]

ترجمہ:"بے شک فتنہ جب آجائے تو علماء اسے پہچانتے ہیں، اور جب وہ چلا جاتا ہے تو ہر جاہل اس کو جانتا ہے"

فتنوں کی یلغار کی وجہ سے اب اصطلاحات میں بھی بہت تغیر پیدا ہو چکا ہے، آج کل علم کا دار مدار "جاننے" اور "دانستن" پر ہے جو شخص جتنی زیادہ معلومات رکھتا ہے، وہ اس قدر زیادہ علم والا کہلاتا ہے حالانکہ سلف کے ہاں علم کا مدار صرف

---

[1] جامع بيان العلم وفضله،باب جامع في فضل العلم،ج١،ص٢٣٦.

[2] حلية الأولياء وطبقات الأصفياء،عبد الرحمن بن مهدي ومنهم الإمام الرضي، والزمام القوي ناقد الآثار، وحافظ الأخبار عبد الرحمن بن مهدي. ذكر طوائف من جماهير النساك والعباد،ج٩،ص٢٤.

معلومات جاننے پر نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ دل میں خوف خدا اور عملی زندگی میں علمی تقاضوں کی پابندی کرنا ضروری خیال کیا جاتا تھا، یہاں عنوان میں "علماء صالحین" کا لفظ اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرنے کے لئے بڑھایا گیا ہے اور اس سے ایسے ہی اہل علم مراد ہیں۔ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ عام مسلمانوں کی بنسبت اہل علم کی بصیرت زیادہ ہوتی ہے، علمی و عملی فضیلت کے ساتھ ساتھ عام طور پر توفیق خداوندی بھی شامل ہوتی ہے جو مزید مددگار ثابت ہوتا ہے اور یوں اہل علم کسی بات کی حقیقت اور اس کے انجام ونتائج تک جلدی رسائی حاصل کرسکتے ہیں، اس لئے فتنوں کے دور میں ایسے علماء پر اچھا اعتماد اور ان کے ساتھ نیک سلوک وحسن ادب کا اہتمام کرنا فتنوں سے محفوظ رہنے میں بہت ہی مفید ثابت ہوتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب، ناکارہ عبید الرحمان، شب جمعہ ۱۸ شعبان، مردان

مصادر و مراجع

❖ سنن أبي داود، المؤلف: أبو داود سليمان بن الأشعث السِّجِسْتاني (المتوفى: ٢٧٥هـ)

❖ مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، المؤلف: ملا علي قاری رحمہ اللہ (المتوفى: ١٠١٤هـ)

❖ سنن الدارمي، المؤلف: أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن، السمرقندي (المتوفى: ٢٥٥هـ)

❖ صحيح البخاري، محمد بن إسماعيل أبو عبد الله البخاري صحيح مسلم،

❖ المفاتيح في شرح المصابيح، المؤلف: الحسين بن محمود بن الحسن، المشهور بالمُظْهِري (المتوفى: ٧٢٧هـ)

❖ إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان، المؤلف: ابن القيم الجوزيؒ (المتوفى: ٧٥١هـ)

❖ مكارم الأخلاق للخرائطي، المؤلف: أبو بكر محمد بن جعفر الخرائطي (المتوفى: ٣٢٧هـ)

❖ المستدرک على الصحيحين للحاكم، المؤلف: أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله النيسابوري (المتوفى: ٤٠٥هـ)

❖ مسند أحمد، المؤلف: أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني (المتوفى: ٢٤١هـ)

❖ سنن ابن ماجه، المؤلف: أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني، (المتوفى: ٢٧٣هـ)

❖ مصنف ابن أبي شيبة، المؤلف: أبو بكر بن أبي شيبة، (المتوفى: ٢٣٥هـ)

❖ سنن الترمذي، المؤلف: محمد بن عيسى، الترمذي، (المتوفى: ٢٧٩هـ)

❖ موطأمالک، المؤلف: مالک بن أنس بن مالک الأصبحي المدني (المتوفى:١٧٩هـ)

❖ جامع بيان العلم وفضله، المؤلف: أبو عمر يوسف بن عبد الله القرطبي (المتوفى: ٤٦٣هـ)

❖ حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، المؤلف: أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني (المتوفى: ٤٣٠هـ)

❖ المفردات في غريب القرآن، المؤلف: حسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهانى (المتوفى: ٥٠٢هـ)

❖ الإفصاح عن معاني الصحاح، المؤلف: يحيى بن (هُبَيْرَة بن) محمد بن هبيرة الشيبانيّ، (المتوفى: ٥٦٠هـ)

❖ صحيح ابن حبان، محمد بن حبان بن أحمد، الدارمي، البُستي (المتوفى: ٣٥٤هـ)

❖ فتح الباري، المؤلف: حافظ بن حجر عسقلاني رحمه الله

❖ تحفة الأبرار شرح مصابيح السنة، المؤلف: القاضي ناصر الدين عبد الله بن عمر البيضاوي (ت ٦٨٥هـ)

❖ شرح المشكاة للطيبي ، المؤلف: شرف الدين الحسين بن عبد الله الطيبي (٧٤٣هـ)